هٰذا بلاغ للنّاس
ماہنامہ
البلاغ
کراچی
سرپرست
حضرت مولانا محمد شفیع صاحب مفتی اعظم
پاکستان

ذیقعدہ ۱۳۸۷ھ
فروری ۱۹۶۸ء

دارالعلوم کراچی کا ترجمان

ماہنامہ البلاغ کراچی

فی پرچہ ۵۶ پیسے ، سالانہ چھ روپے
ممالک غیر سے ، ایک پونڈ سالانہ
بذریعہ ہوائی ڈاک ۲ پونڈ

ڈاک کا پتہ
"البلاغ" دارالعلوم کراچی ۱۴
فون ــــــ ۳۸۱۱۷

ہندوستان میں ترسیل زر کا پتہ
مولانا ظہور الحسن صاحب خانقاہ امدادیہ
تھانہ بھون ضلع مظفر نگر
(بھارت)

محمد تقی عثمانی
استاذ دارالعلوم کراچی

مدیر انتظامی
خلیل الرحمٰن نعمانی مظاہری
ناظم نشر و اشاعت دارالعلوم کراچی

جلد ــــــ ۱
شمارہ ــــــ ۱۱

ترتیب

ذکر و فکر	محمد تقی عثمانی	۳
سخنہائے گفتنی	خلیل الرحمٰن نعمانی	۷
معارف القرآن		
قرآن اور علم فلکیات	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب	۹
درسگاہ رسالت		
حدیث جبرئیل ۲ (۷)	مولانا سلیم اللہ صاحب	۱۳
مقالات و مضامین		
قرآنی مضامین کا معجزانہ ربط	مولانا سید انظر شاہ کشمیری	۱۶
جدہ پہنچنے سے پہلے	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب	۲۳
سخن راست	جناب خواجہ محمد شفیع دہلوی	۳۰
تأثرات	جناب ملا واحدی	۳۴
اسلامی مساوات	جناب محمد حفیظ اللہ پھلواری	۳۶
کچھ شگفتہ تذکرے		
حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ	جناب واصل عثمانی ایم۔ اے	۳۹
مسافران آخرت		
حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحبؒ	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب	۴۲
مستقل عنوانات		
خواتین اسلام سے	مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری	۴۴
آپ کے سوال	محمد تقی عثمانی	۴۹
یہ مغربی تہذیب ہے	ترجمہ: جناب ہمایوں اختر	۵۲
کل کے معمار — (تجارتی سود)	محمد اسحٰق جہلمی	۵۵
نقد و تبصرہ	ادارہ	۶۱

ذکر و فکر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

صنعتی انقلاب

حمد و ستائش اس ذات کے لئے ہے جس نے اس کارخانۂ عالم کو وجود بخشا

اور

درود و سلام اس کے آخری پیغمبر ﷺ پر جنہوں نے اس جہان میں حق کا بول بالا کیا۔

یوں تو زندگی ہر دم "رواں، پیہم رواں" ہے۔ ہر نیا زمانہ اپنے ساتھ نئے حالات اور نئے مسائل لیکر آتا ہے، لیکن خاص طور سے مشین کی ایجاد کے بعد دنیا میں جو عظیم انقلاب رونما ہوا ہے، اس سے زندگی کا کوئی گوشہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔ اس انقلاب نے ہر علم و فن میں تحقیق و نظر کے نئے میدان کھولے ہیں، اور زندگی کے ہر شعبہ میں کچھ نئے مسائل پیدا کر دیئے ہیں۔ اسلام کے سوا دوسرے مذاہب کی اصل تعلیمات پر نظر ڈالئے تو ان میں اس عظیم انقلاب کو اپنے میں جذب کر لینے کی کوئی صلاحیت آپ کو دکھائی نہیں دے گی، ان تعلیمات کا اصل سرچشمہ وحی خداوندی کے بجائے بشری ذہن تھا، اس لئے نہ اس میں انسانی فطرت کا پورا لحاظ تھا، نہ زمانے کے بدلتے ہوئے حالات کی کماحقہ رعایت تھی، اور نہ مستقبل کے امکانات پر حکیمانہ نگاہ، اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ ان مذاہب کی بیشتر اصلی تعلیمات آج مشین کے بوجھ تلے دب کر دم توڑ چکی ہیں، ان مذاہب کے ماننے والوں کے سامنے اب دو ہی راستے رہ گئے ہیں، اگر وہ زمانہ کے ساتھ قدم ملا کر چلنا چاہتے ہیں تو انہیں اپنے مذہب کو خیر باد کہنا پڑتا ہے۔ اور اگر انہیں مذہب زیادہ عزیز ہے تو ان کے لئے فکر و شعور کی ہر روشنی سے منہ موڑ کر یہ سمجھنا لازمی ہے کہ وہ بیسویں صدی کے انسان نہیں ہیں، البتہ کچھ ہوشیار ذہنوں نے ایک درمیانی راہ یہ نکالی ہے کہ اپنے مذہب میں بڑی محنت کے ساتھ کتر بیونت شروع کر دی ہے اور اسے چیر پھاڑ کر اس قابل بنا دیا ہے کہ وہ موجودہ زمانے کے لئے قابل عمل بن جائے لیکن درحقیقت اس عمل جراحی کے بعد اس مذہب کو ان کا اصل مذہب سمجھنا دل کو بہلانے کا ایک خیال ہے، اس سے زائد کچھ نہیں، واقعہ یہ ہے کہ ان کا اصل مذہب مٹ چکا ہے اب ان کے پاس اس کے نام کے ظاہری ڈھانچے کے سوا کچھ نہیں جس میں ایک نئے مذہب کی روح بھری ہوئی ہے۔

لیکن اسلام کا معاملہ اس سے یکسر مختلف ہے۔ اس دنیا میں تنہا وہ ایک ایسا دین ہے جس کی تعلیمات سدا بہار ہیں، زمانے میں کیسے ہی انقلاب رونما ہو جائیں، حالات کتنے ہی پلٹے کھالیں وہ پرانا نہیں ہوتا، وہ آج بھی تازہ ہے، اور جب تک یہ دنیا کروٹیں بدلتی رہے گی، وہ تازہ رہے گا، اور اس کی وجہ بالکل ظاہر ہے، اس کے اصول و ضوابط کسی بشری ذہن نے مرتب نہیں کئے جو آنے والے حالات سے بے خبر ہو، اس کی تعلیمات کا سرچشمہ وحی الٰہی ہے۔ جس ذات نے اسے انسان کا نظام حیات قرار دیا ہے وہی انسان کی اور اس تمام کائنات کی خالق ہے۔ اسے انسان کی فطرت کا پورا علم ہے۔ وہ اس کی ضرورتوں کو خوب جانتی ہے۔ وہ تمام بدلتے ہوئے حالات سے پوری طرح باخبر ہے، اور اسے اچھی طرح

معلوم ہے کہ کب کیا ہونے والا ہے۔؟

یہ اسی کے کلام کا اعجاز ہے کہ اس نے اسلام کے جو اصول و قواعد قرآن کریم میں بیان فرمائے، اور جن کی تلقین اس کے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کی، وہ قیام قیامت تک تمام پیدا ہونے والے مسائل پر حاوی ہیں، یہ دنیا لاکھ کروٹیں بدل لے۔ ان تعلیمات کو بدلنے کی ضرورت کبھی پیش نہیں آسکتی، اسلام کے اصول و قواعد ہر دور اور ہر زمانے میں انسانیت کی رہنمائی کرنے کے لئے بالکل کافی ہیں۔

لیکن افسوس ہے کہ عالم اسلام کا ایک طبقہ ـــــ جسے اہل تجدد کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس حقیقت تک پہنچنے سے قاصر رہا ہے اس لئے اس نے دوسرے مذاہب کی دیکھا دیکھی اسلام میں بھی ترمیم و تحریف کا سلسلہ شروع کیا ہوا ہے، اور صنعتی انقلاب کے ہر غلط یا صحیح مظہر کو اسلام کے مطابق ثابت کرنا اس نے اپنا فریضۂ منصبی سمجھ رکھا ہے۔ یہ طبقہ اپنی ہر ترمیم و تحریف کے لئے سب سے بڑی دلیل یہ پیش کیا کرتا ہے کہ صنعتی انقلاب کے بعد سے دنیا بہت بدل گئی ہے، اور حالات میں انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں، اس لئے لازماً اسلام کے احکام کو بھی بدلنا چاہئے ـــــ!

اس سلسلہ میں ہمیں یہ عرض کرنا ہے کہ یورپ کے صنعتی انقلاب کے نتیجے میں زندگی کے ہر گوشے میں جو تبدیلیاں ہوئی ہیں، وہ دو قسم کی ہیں کچھ تبدیلیاں تو وہ ہیں جو موجودہ ترقیات کے لئے ناگزیر اور ضروری تھیں، اور ان کے بغیر سائنس اور ٹکنالوجی کا موجودہ معیار تک پہنچنا ممکن نہ تھا، انہی کی بدولت دنیا نئی نئی ایجادات سے آشنا ہوئی۔ بڑے بڑے کارخانے بنے، پُل تعمیر ہوئے، بند باندھے گئے۔ اور انسانی معلومات میں مفید اضافے ہوئے صنعتی انقلاب کا یہ پہلو بلاشبہ قابل تعریف ہے، عالم اسلام کے لئے اس میدان میں آگے بڑھنا ضروری ہے، اور اسلام نہ صرف یہ کہ اس راہ میں کوئی رکاوٹ عائد نہیں کرتا، بلکہ اس "اعداد قوت" کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

لیکن اس کے ساتھ ہی کچھ تبدیلیاں وہ ہیں جو صنعتی اور مادی ترقیات کے لئے ہرگز ضروری نہیں تھیں، مغرب نے انہیں خواہ مخواہ صنعتی انقلاب کے سر منڈھ دیا تھا، چنانچہ آج وہ بھی اپنی اس خام کاری پر نوحے پڑھ رہا ہے۔ فحاشی و عریانی، مخلوط اجتماعات، رقص و موسیقی، سودی نظامِ بنکاری اور ضبط ولادت وغیرہ یہ تمام وہ چیزیں ہیں جنکا مادی و صنعتی ترقیات سے کوئی دور کا واسطہ بھی نہیں تھا، بلکہ تجربے نے تو یہ ثابت کیا ہے کہ یہ چیزیں ترقیات کی راہ میں رکاوٹ تو بنی ہیں، مگر انھوں نے اس کام میں کوئی مدد کبھی نہیں پہنچائی۔

یہی وہ چیز ہے جس سے عالم اسلام کو پوری احتیاط کے ساتھ بچنا ہے، عالم اسلام میں صنعتی انقلاب ضرور آنا چاہئے، لیکن ایسا صنعتی انقلاب جو مغربی تہذیب کی ان لعنتوں سے محفوظ و پاک ہو جنھوں نے مغرب کو تباہی کے کنارے پہنچا دیا ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارا تجدد پسند طبقہ یہ چاہتا ہے کہ ہم مغرب کے صنعتی انقلاب کو تل بدلے بغیر جوں کا توں قبول کرلیں، اور جب ہمارے معاشرے میں مشین کا عمل دخل ہو تو اس کے ساتھ۔ بلکہ اس سے بھی پہلے ـــ ہم ان تمام فکری اور عملی گمراہیوں میں سرتاپا ڈوب چکے ہوں، یہی وجہ ہے کہ وہ سائنس اور ٹکنالوجی کو ترقی دینے سے زیادہ اپنی توانائیاں اس پر صرف کر رہا ہے کہ کسی طرح اسلام کو کھینچ تان کر مغربی تہذیب کے مطابق بنا دیا جائے۔

ادارۂ تحقیقات اسلامی کا ترجمان ماہنامہ فکر و نظر اپنے طرز عمل کی دلیل پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"چوتھے پنجسالہ منصوبے کی تکمیل پر پاکستان کی پوری زندگی بدلی ہوئی ہوگی، یہاں مشین کا دور دورہ ہوگا، اور اس کی وجہ سے خاندانی زندگی بدلے گی، معیشت اور معاشرت بدلے گی، عورت اور مرد کے تعلقات میں تبدیلیاں آئیں گی، اور ظاہر ہے اس سے انفرادی و قومی ذہن بھی متاثر ہوگا، اور لوگ اور ڈھنگ سے سوچیں گے۔" (فکر و نظر ص ۷۳۲ ج ۷ شمارہ ۱۲)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ حضرات عالم اسلام کے صنعتی انقلاب اور مغرب کے صنعتی انقلاب میں کوئی فرق دیکھنا نہیں چاہتے، ہمارا

گذارش یہی ہے کہ ہمارے معاشرے میں "مشین کا دور دورہ" کوئی بری بات نہیں، لیکن "اس کی وجہ سے" خاندانی زندگی، معیشت اور معاشرت، عورت اور مرد کے تعلقات اور لوگوں کے طرز فکر میں جن "تبدیلیوں" کی نشان دہی آپ فرمارہے ہیں، انہیں ہم عالم اسلام کیلئے زہر سمجھتے ہیں، یہ "تبدیلیاں" اسلامی مزاج سے میل کھانے والی نہیں ہیں، اور خود مغرب کے صنعتی انقلاب کا مطالعہ ہمیں اس نتیجہ پر پہنچاتا ہے کہ اگر ہم مشین کے عمل دخل کے باوجود پُرسکون زندگی گذارنا چاہتے ہیں تو ہمیں ان "تبدیلیوں" سے پرہیز کرنا ہوگا۔

اقبال مرحوم نے مغرب کے حالات کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد کہا تھا کہ ؎

افرنگ مشینوں کے دھوئیں سے ہے سیہ پوش

اور ؎

ہے دل کے لئے موت مشینوں کی حکومت
احساسِ مروّت کو کچل دیتے ہیں آلات!

اس سے یہ نتیجہ نکالنا درست نہ ہوگا کہ انہیں "مشینوں" اور "آلات" سے کوئی چڑ تھی اور وہ ٹکنالوجی کی ترقیات کے مخالف تھے، بلکہ درحقیقت ان کا مقصد یہ تھا کہ مغرب نے مشین کے ساتھ جن آفتوں کو اپنے اوپر خواہ مخواہ مسلط کرلیا ہے وہ قابلِ نفرت اور لائق احتراز ہیں۔

لہٰذا موجودہ حالات میں ہمارے لئے صحیح راہِ عمل یہی ہے کہ ہم صنعتی انقلاب کے شوق میں آنکھیں بند کرکے ان راستوں پر نہ چلیں جنہوں نے مغرب کو تباہی کے غار تک پہنچا دیا ہے، بلکہ پوری بصیرت اور بیدار مغزی کے ساتھ سائنس اور ٹکنالوجی کو اس طرح جذب کریں کہ اس سے ہماری ملی اقدار مجروح نہ ہوں۔ صنعتی انقلاب اپنے جلو میں جو نئے مسائل لیکر آئے گا۔ اسلام میں ان کا وہ حل موجود ہے جو مغربی تہذیب کی خامیوں سے محفوظ اور پاک ہے۔ محققین اسلام کو یہی حل ان اصولوں کے مطابق تلاش کرنا ہے جو استنباطِ احکام کیلئے اسلام نے مقرر کئے ہیں۔

اس کے برخلاف اگر اسلام کو کھینچ تان کر مغربی تہذیب کے مقتضیات پر فٹ کرنے کے لئے خود اسلام میں ترمیم و تحریف کی گئی اور اس کے بعد اس کو جوں توں کرکے عصر حاضر کی ضرورت کے مطابق بنا دیا گیا تو آپ ہی بتلائیے کہ اس میں "اسلام" کا کیا کمال ہوا؟ اس طرح توڑ موڑ کر تو ہر مذہب کو عصر حاضر کے مطابق بنایا جاسکتا ہے، اور بہت سے مذاہب کے "فنکاروں" نے بنایا ہے، ہماری نظر میں اس طرح کسی مذہب کو عصر حاضر کے مطابق بنا دینا ان "فنکاروں" کا کمال ہو تو ہو، اس مذہب کا کمال ہرگز نہیں ہے۔ ہم پوری دیانتداری کے ساتھ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کو دوسرے مذاہب پر قیاس کرکے اس کے ساتھ ایسا سلوک کرنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے، اور اس قسم کی ہر کوشش "تحریفِ دین" اور مستحق مذمت ہے۔

بلاشبہ اسلام کے بہت سے احکام و مسائل میں یہ لچک موجود ہے کہ زمانے اور حالات کے تغیر سے وہ بھی تغیر پذیر ہوجاتے ہیں، لیکن اس تغیر کے کچھ اصول ہیں، اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسلام کے ہر حکم کو اس خراد پر گھس دیا جائے۔ اصل یہ ہے کہ قرآن و سنت اور اجماع امت کے جو احکام منصوص اور معین ہیں وہ ناقابل تغیر ہیں، اور انہیں کسی زمانے میں بھی بدلا نہیں جاسکتا، البتہ جن معاملات پر زمانے کی تبدیلی کا اثر پڑ سکتا ہے، ان میں خود قرآن و سنت نے معین احکام دینے کے بجائے کچھ اصول بتا دیئے ہیں جنکی روشنی میں ہر زمانے میں احکام مستنبط کرلئے جائیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اگر قرآن و سنت کا منشا یہ ہوتا کہ ہر زمانہ کے مسلمان اپنے حالات کے

مطابق اور سابقہ امت کے اجماعی فیصلوں کے خلاف خود احکام وضع کرکے انہیں "اسلامی احکام" قرار دے سکتے ہیں تو قرآن وسنت کو زندگی کے ہر گوشے میں اس قدر تفصیلی احکام دینے کی کیا ضرورت تھی؟ بس اتنا کہدیا جاتا کہ ہر زمانے میں اپنے ماحول کے پیش نظر قوانین بنالیا کرو، اس کے برخلاف قرآن، سنت اور اجماع امت نے جو احکام معین طور سے بتلا دیئے ہیں ان کا واضح مطلب ہی یہ ہے کہ وہ قیامت تک کے لئے نافذ ہوں گے، اور کسی زمانے میں انہیں تبدیل نہ کیا جاسکے گا، لہٰذا زمانے کی تبدیلی کا بہانہ لے کر ان احکام کو ہرگز نہیں بدلا جاسکتا اور یہ قیام قیامت تک کے لئے نہ صرف واجب العمل ہیں، بلکہ انہی میں مسلمانوں کی مادی ترقی کا راز بھی مضمر ہے۔

ہاں جن احکام کو خود قرآن وسنت نے زمانے کے حوالے کردیا ہے، وہ بلاشبہ قابل تغیر ہیں، اور ہر زمانے کے حالات کے پیش نظر ان میں تبدیلی کی جاسکے گی اور کی جاتی رہی ہے۔ لیکن ہمارے تجدد پسند حضرات اس زمانے کی تبدیلی کی آڑ لے کر صرف ان اجماعی احکام کو بدلنا چاہتے ہیں جو چودہ سو سال سے مسلّم چلے آرہے ہیں، بلکہ وہ بہت سے عقائد میں بھی تبدیلی کے خواہاں ہیں، وہ جسمانی معاد، جنت ودوزخ، وحی ورسالت، ملائکہ اور معجزات جیسے بنیادی عقائد میں بھی ایسی ترمیمات کرنا چاہتے ہیں جو قرآن وسنت کی واضح نصوص کے خلاف ہیں، اور جنہیں آج تک امت کے کسی ایک قابل ذکر فرد نے بھی تسلیم نہیں کیا۔

اگر ان کی یہ ترمیمات حق بجانب ہیں تو پھر تو اس معاملے پر بھی سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے کہ جس دین کے بنیادی عقائد تک کو چودہ سو سال کی مدت میں کوئی شخص صحیح طریقے سے نہ سمجھ سکا ہو تو کیا وہ دین اس لائق ہے کہ کوئی معقول آدمی اسے حق سمجھ کر اس کی پیروی کرے؟

پھر لطف کی بات یہ ہے کہ ہمارے تجدد پسند حضرات کو زمانہ صرف اس موقع پر بدلا ہوا نظر آتا ہے جب اس تبدیلی سے کوئی اباحت نکالنا یا مغرب کے کسی نظریئے کو اسلام کے مطابق ثابت کرنا پیش نظر ہو، اور جہاں زمانے کی تبدیلی کا نتیجہ کسی مشقت کی شکل میں ظاہر ہوتا ہو وہاں زمانے کی تبدیلی کا کسی کو خیال بھی نہیں آتا اس کی واضح مثال یہ ہے کہ یہ بات تو اہل تجدد کی طرف سے بہت سنی گئی کہ زمانہ بدل گیا ہے، اس لئے سود کو حلال ہونا چاہئے، لیکن آج تک ہم نے کسی بھی تجدد پسند کی زبان سے یہ کبھی نہیں سنا کہ زمانہ بدل گیا ہے، اس لئے نماز میں قصر کی اجازت اب ختم ہو جانی چاہئے اور یہ اجازت اس وقت کے ساتھ مخصوص تھی جب سفر میں بے انتہا مشقت اٹھانی پڑتی تھی، لہٰذا جو لوگ ہوائی جہازوں اور ایئرکنڈیشنڈ کاروں میں سفر کرتے ہیں ان کے لئے روزہ چھوڑنے اور نماز کو مختصر کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

طرز عمل کے اس تفاوت سے آپ تجدد کی اباحیت پسندانہ ذہنیت کا صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں کہ درحقیقت اس کی تمام تر دلیلیں اپنے پہلے سے قائم کئے ہوئے نظریات کے لئے باقاعدہ بنائی جاتی ہیں، پیش نظر چونکہ یہ ہے کہ مغرب کے نظریات کو اسلام میں داخل کیا جائے، لہٰذا جس جگہ یہ مقصد پورا ہوتا ہے وہاں ہر گری پڑی بات دلیل بن جاتی ہے، اور جس جگہ وہی دلیل اپنے مقاصد کے خلاف پڑتی ہو، وہاں وہ قابل التفات نہیں رہتی۔ کاش! کہ ہمارے تجدد پسند حضرات ان گذارشات پر سنجیدگی کے ساتھ اور حقیقت پسندی کیساتھ غور فرماسکیں، اور ان کی فکری صلاحیتیں "تحریف وترمیم" کے بجائے کسی تعمیری خدمت میں صرف ہونے لگیں! وما علینا الا البلاغ

محمد تقی عثمانی
۲۴ر شوال ۱۳۸۷ھ

البلاغ کا گیارھواں شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے، زندگی بخیر رہی تو اگلا شمارہ سال کا آخری پرچہ ہوگا، وہ حضرات جو محرم ۱۳۸۷ھ سے البلاغ کے خریدار ہیں ان کا چندہ اگلے شمارہ پر ختم ہو جائیگا۔ ہمارے قارئین کرام میں سے اکثر حضرات کو ہماری دفتری اور انتظامی مصروفیتوں کا شائد اندازہ نہ ہو۔ ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ البلاغ کی جملہ اور ہمہ قسم کی ذمہ داریاں صرف چار کمزور کندھوں پر رہی ہیں۔ رسالہ کی ترتیب سے لیکر ترسیل کے آخری مرحلہ تک سارا کام صرف ہم دونوں مدیران ہی کو انجام دینا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ نوع بنوع خطوط کے جوابات، مختلف شکایات کا ازالہ، درس و تدریس اور ایک اشاعتی ادارہ کی ذمہ داریاں بھی اس میں شامل ہیں، ایسی حالت میں سال کے اختتام پر نئے سال کے لئے تعلقات کی استواری اور برقراری رشتہ کے لئے جو امور انجام دینے پڑتے ہیں، ان کا بار اتنا شدید ہوتا ہے کہ دو ایک آدمی کا اس سے عہدہ برآ ہو جانا "کرامت" ہی سمجھی جائے گی، البتہ اگر ہمارے قارئین محترم ہم سے تعاون فرمایئں تو یہ کارنامہ بغیر کسی کرامت کے معمول کے مطابق انجام پا سکتا ہے۔ آپ کے تعاون کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اسی شمارہ کے ساتھ آپ کو مدت خریداری ختم ہونے کا جو مطبوعہ اطلاع نامہ بھیجا جا رہا ہے اس کو ملاحظہ فرما کر سال آئندہ کے لئے اپنا چندہ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرما دیجئے، اور اگر خدانخواستہ آپ آئندہ خریداری قبول نہ فرمانا چاہیں (جس کی ہمیں آپ سے امید نہیں ہے) تو ایک کارڈ کے ذریعہ ہمیں اطلاع دیدیجئے۔ اس ضمن میں یہ بات یاد رکھئے کہ اپنا خریداری نمبر ضرور لکھئے، آپ کو اندازہ نہیں کہ خریداری نمبر نہ لکھنے کی صورت میں ہمیں کتنی پریشانی ہوتی ہے، ہو سکتا ہے کہ اس صورت میں آپ کا چندہ وصول ہونے کے باوجود مطالبہ باقی رہے، اور آپ کو وی پی چلا جائے۔

جن حضرات کا چندہ یا جواب ذی الحجہ ۱۳۸۷ھ کی ۱۵ تک موصول نہ ہوگا ان کی خدمت میں محرم ۱۳۸۸ھ کا پرچہ وی پی بھیجا جائیگا جس کا وصول کرنا ان کا اخلاقی فریضہ ہوگا۔

یہ بھی گوش گزار فرما لیجئے، کہ بغیر خریداری نمبر لکھے کسی حکم کی تعمیل یا کسی فرمائش کی تکمیل سے ہم معذور ہوں گے!

ہندوستانی خریدار بھی اپنا چندہ مولانا ظہور الحسن صاحب خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر کو ارسال فرما کر ہمیں مطلع فرما دیں۔

ہاں وہ حضرات جو خریدار تو محرم ۱۳۸۷ھ سے ہیں مگر صفر ۱۳۸۷ھ کا پرچہ ختم ہو جانے کی وجہ سے ان کی مدت خریداری محرم ۱۳۸۸ھ کے پرچہ پر ختم ہو رہی ہے محرم ۱۳۸۸ھ کی ۱۵ تک اپنا چندہ ارسال فرما سکتے ہیں۔ بصورت دیگر صفر ۱۳۸۸ھ کا پرچہ ان کو بھی بذریعہ وی پی بھیجا جائے گا۔

ہجوم مشاغل اور کثرت کار کے باوجود اس کا اہتمام کیا گیا تھا کہ ہر ماہ پرچہ باقاعدہ چیکنگ کے بعد بھیجا جائے، مگر اس کے باوجود ہمارے کرم فرماؤں کو شکایات پیدا ہوئیں اور ہم تک جن حضرات کی شکایات پہنچیں حتی الامکان ہم نے اس کی تلافی کی، ہو سکتا ہے بہت سے حضرات نے اپنے نقصان کو برداشت کر لیا ہو، لہٰذا ایسے تمام حضرات جن کو دوران سال کوئی پرچہ نہ ملا ہو وہ ان کا فائل

ناقص و نامکمل رہ گیا ہو، اگر چاہیں تو گم شدہ پرچے ہم سے طلب فرمالیں، صفر ۸۶ھ کے پرچہ کے علاوہ دفتر میں تمام پرچے موجود ہیں البتہ ایسی تمام فرمائشات پر مطلوبہ پرچے بصیغہ بیرنگ روانہ ہوں گے اس میں آپ کو چند پیسوں کا بار تو ہوگا مگر پرچہ انشاء اللہ محفوظ طور پر آپ کو پہنچ جائے گا۔ یا رجسٹری فیس کے ۵۰/- ارسال فرمادیں تو پرچے بذریعہ رجسٹری روانہ کردیئے جائیں گے۔

مشرقی پاکستان کے کرم فرماؤں کو پرچہ تاخیر سے پہنچنے کی شکایت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسالہ بحری جہاز سے جانے والی ڈاک کے ذریعہ بھیجا جاتا ہے، ہوائی ڈاک سے بھیجنے کی صورت میں محصول زیادہ لگتا ہے جس کو ادارہ کسی بھی صورت برداشت نہیں کرسکتا ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ جو حضرات ہوائی ڈاک سے رسالہ منگوانا چاہیں وہ چھ روپے کے بجائے نو روپے ارسال فرمائیں اور منی آرڈر کوپن میں اس کی تصریح فرمادیں کہ پرچہ ہوائی ڈاک ہی سے بھیجا جائے۔

شروع سال میں رسالہ کو رف کاغذ اور ۴۸ صفحات پر نکالنے کا خیال تھا اس وقت اس کا چندہ پانچ روپے رکھا گیا تھا اور اس کا اعلان بھی کیا گیا تھا، جن حضرات نے اس کے مطابق چندہ بھیجا ہم نے وہی قبول کرلیا تھا، مگر آئندہ کے لئے یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ سالانہ چندہ چھ روپے سے کم قبول نہیں کیا جائے گا۔

اسی کے ساتھ ہم نے طلبا کے لئے رعایتی چندہ چار روپے رکھا تھا اور اس کے لئے شرط رکھی تھی کہ مدرسہ، اسکول کالج، یونیورسٹی کے کسی ذمہ دار کی تصدیق لازمی ہے، مگر افسوس کہ اس کی بہت کم حضرات نے پابندی کی، ایک آدھ مثال تو ہمارے سامنے ایسی بھی آئی کہ غیر طالب علم نے اپنے کو طالب علم ظاہر کرکے، یا طالب علم کے نام سے رسالہ جاری کرالیا۔

لہٰذا ہم یہ اعلان کرنے پر مجبور ہیں کہ آئندہ بغیر تصدیق کے کسی کو طالب علمانہ رعایت نہیں دی جائے گی، اس رعایت سے عربی مدارس کے علاوہ اسکولوں اور کالجوں وغیرہ کے طلبا بھی یکساں فائدہ اٹھا سکتے ہیں!

انفرادی و اجتماعی طور پر ہر حلقۂ خیال اور مکتب فکر نے البلاغ کی جس طرح پذیرائی فرمائی ہے ہم اس پر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے ساتھ اپنے کرم فرماؤں کے ممنون ہیں، مگر البلاغ کی بنیادوں کو مضبوط و استوار کرنے میں جو چیز سب سے زیادہ ضروری اور مفید ہوسکتی تھی افسوس ہے کہ اسکی طرف توجہ نہیں ہو سکی برابر۔

کسی بھی پرچہ کی مالی حالت مستحکم کرنے میں اشتہارات کا جو حصہ ہے، اس سے کسی کو انکار نہیں، مگر ہمارے کرم فرماؤں نے اسی کی طرف توجہ نہیں فرمائی ہمیں معلوم ہے کہ البلاغ ان حضرات کو بھی بہت محبوب ہے جنکے ہاں ہزاروں روپیہ اشتہارات کا بجٹ بنتا ہے، مگر البلاغ کو انہوں نے نظر انداز کر رکھا ہے یہ حضرات اگر چاہیں تو البلاغ نہ صرف اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکتا ہے بلکہ اس کا حلقۂ اثر پوری اسلامی دنیا میں پھیل سکتا ہے، ہماری جد و جہد جاری ہے قارئین کرام بھی اس سعی و کاوش میں ہمارا ہاتھ بٹائیں، اس ضمن میں یہ ملحوظ خاطر رہے کہ البلاغ میں بینکوں، بیمہ کمپنیوں، سینماؤں، خرافات آمیز دواؤں اور باتصویر اشتہاروں کی گنجائش نہیں ہے ———— البلاغ کو نادار اور کم استطاعت شائقین تک پہنچانے کے لئے شروع سال میں ایک صاحب خیر بزرگ نے ایک معقول رقم پیش کی تھی، جس کی بدولت ایک وسیع حلقہ اس سے مستفید ہوا، آئندہ بھی اگر کوئی باہمت اہل خیر اس طرف توجہ فرمائیں تو ان کی یہ امداد انشاء اللہ موجب اجر و ثواب ہونے کے ساتھ ساتھ البلاغ کی بنیاد کو بھی مضبوط کریگی، اس سلسلہ میں دی جانیوالی رقم اگر بد زکوٰۃ ہو تو اسکی صراحت فرمادی جائے: تاکہ صحیح مصرف میں لگائی جاسکے۔

دیکھئے خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر لکھنا نہ بھولئے! شکریہ۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خاکسار ———— خلیل الرحمٰن نعمانی

معارف القرآن

سورۂ حجر

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم

قرآن اور علم فلکیات

قدیم وجدید ہیئت کی تحقیقات

فلکیات اور سیاروں کے متعلق قدیم وجدید فلاسفروں کی تحقیقات

اگرچہ قرآن فہمی اور قرآن کے مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے ہمیں ان تحقیقات کی قطعاً ضرورت نہیں لیکن قرآن کریم کی بہت سی آیات ان مسائل کی طرف تصریح یا اشارہ کرتی ہیں اور ہر نظریئے کے لوگ اون کو اپنے نظریئے کے مطابق سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسلئے ان نظریات کا معلوم ہونا فائدہ اور علمی دلچسپی سے خالی نہیں۔

سید محمود شکری آلوسی نے اپنی کتاب ما دل علیہ القرآن میں اور شیخ بخیت مفتی دیار مصریہ نے اپنی مفصل کتاب توفیق الرحمٰن للتوفیق بین ما قالہ اہل الھیئۃ و بین ما جاء فی الاحادیث الصحیحۃ و آیات القرآن میں ان نظریات کا خلاصہ بھی بیان کر دیا ہے اور یہ بھی کہ موجودہ دور کی نئی تحقیقات جو پہلے ہو چکی ہیں یا اب ہو رہی ہیں ان میں کوئی چیز قرآن و سنت کے خلاف یا منافی نہیں۔

مختصر یہ ہے کہ فلکیات اور ستاروں سیاروں کی حرکات کے متعلق بحث و تحقیق کوئی نیا فن نہیں۔ ہزاروں سال پہلے سے ان مسائل پر تحقیقات کا سلسلہ جاری ہے۔ مصر، شام، ہند، چین وغیرہ میں ان فنون کا چرچا رہا ہے حضرت مسیح علیہ السلام سے پانسو سال پہلے اس فن کا معلم فیثاغورس جو اطالیہ کے مدرسہ کردتونا میں باقاعدہ اسکی تعلیم دیتا تھا اس کا نظریہ یہ تھا کہ زمین اپنے مرکز و محور پر مغرب سے مشرق کی طرف حرکت کرتی ہے اور آفتاب اور چاند وغیرہ کا طلوع جو مشرق کی طرف سے دیکھا جاتا ہے یہ زمین کی اپنی حرکت کی وجہ سے ہے۔ اسی پر دن رات کا اور مہینوں کے شروع اور ختم کا مدار ہے۔ یہ حرکات فلک الافلاک کی حرکت کے تابع نہیں ہیں جیسا کہ دوسرے لوگوں نے سمجھا ہے۔

اس کے بعد میلاد مسیح علیہ السلام سے تقریباً ایکسو چالیس سال پہلے بطلیموس رومی کا دور آیا۔ اسی زمانہ میں ایک دوسرے فلاسفر ہیرخوس کی شہرت ہوئی جس نے زاویئے ناپنے کے آلات ایجاد کئے۔ ان دونوں کا نظریہ فلکیات اور ستاروں کی حرکات کے متعلق یہ قائم ہوا کہ زمین اپنی جگہ ساکن ہے اور آفتاب اور تمام چاند تارے آسمانوں میں پیوست ہیں فلک الافلاک کی حرکت کے تابع زمین کے گرد حرکت کرتے ہیں۔ اسی حرکت فلک الافلاک سے چاند تاروں کا طلوع و غروب وابستہ اور دن رات اور مہینوں سالوں کا شروع و ختم متعلق ہے۔ نیز ان کا نظریہ یہ بھی تھا کہ زمین کا مرکز ہی مرکز عالم ہے۔ آٹھ یا نو آسمان زمین کے گرد محیط ہیں اور زمین و آسمان تہ بر تہ بہت سے کرات کا مجموعہ ہیں۔ اسی نظریہ کے تابع یہ نظریہ بھی تھا کہ ہر وزن دار چیز اپنی فطرت و طبیعت سے مرکز ارض کی طرف لوٹتی ہے۔ جب کسی وزنی چیز کو چھوڑا جائے تو وہ زمین ہی پر آگرتی ہے اسی لئے سب سے زیادہ وزنی چیزیں مٹی پتھر

اور معدنیات زمین سے وابستہ ہیں اوس سے ہلکی چیز پانی ہے وہ اس کے اوپر ہے۔ اوس سے ہلکی چیز ہوا ہے۔ وہ پانی کے اوپر ہے اور سب سے زیادہ ہلکی چیز آگ ہے وہ ان سب کے اوپر ہے اور سب عناصر کے اوپر آٹھ یا نو آسمان ہیں اور مختلف آسمانوں میں مختلف ستارے ثوابت اور سیارے جڑے ہوئے ہیں اور ہر آسمان کی بھی حرکت ہے اور سب آسمانوں کا مجموعہ فلک الافلاک کی حرکت کے تابع بھی حرکت کرتا ہے۔

بطلیموس کی رائے نے رومیوں میں بڑی شہرت و اقتدار حاصل کر لیا تھا اس لئے رومی بادشاہوں نے اس کے فلسفہ کی تعلیم کے لئے اسکندریہ میں بڑا مدرسہ قائم کیا اور یہ نظریہ اتنا پھیلا کہ فیثا غورسی نظریہ اس کے سامنے ماند پڑ گیا اور متروک ہو گیا۔

چوتھی صدی ہجری اسلامی کے اوائل میں اسلامی فلاسفر فارابی نے جب یونانی فلسفہ کا عربی زبان میں ترجمہ کیا تو یہی بطلیموسی نظریہ دنیا پر چھایا ہوا تھا اسی کی بنیاد پر تمام کتابیں لکھی گئیں۔ اس کے بعد ابن سینا نے مزید اس کی تائید میں کتابیں لکھیں اور مسلمانوں میں فلسفہ اور علم ہیئت کے رواج کے ساتھ یہی بطلیموسی نظریہ پھیل گیا۔ اگرچہ اسلامی کتابوں میں فیثا غورسی نظریہ کو بھی چھوڑا نہیں گیا۔ اوس کا ذکر بھی تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے۔ جیسا کہ مواقف اور شرح مواقف میں تفصیل موجود ہے۔ مگر عام فلسفہ اور ہیئت کی کتابوں نے بطلیموسی نظریہ ہی پر بنیاد رکھی اور وہی مسلمانوں میں رائج ہو گیا لہ۔

یہاں تک کہ تفسیر قرآن لکھنے والے بعض مصنفین نے قرآنی آیات کو بھی اسی نظریہ سے دیکھنا شروع کیا اور جہاں کہیں اس کے خلاف کوئی چیز قرآنی نصوص میں دیکھی بعض نے اوس کی تاویلیں شروع کیں مگر ایسا کرنے والے خال خال تھے جمہور مفسرین نے وہی طریقہ اختیار کیا جو اوپر لکھا جا چکا ہے کہ قرآنی آیات میں انکی وجہ سے تاویل کو جائز نہیں سمجھا۔

پندرہویں صدی عیسوی اور دسویں صدی ہجری تک یہی صورت چلتی رہی۔ مدارس اور تعلیم گاہوں میں بطلیموسی نظریہ ہی جانا پہچانا جاتا رہا۔ فیثا غورسی نظریہ متروک رہا۔ سولہویں صدی عیسوی اور گیارہویں ہجری میں یوروپ میں ایک فلسفی کوپرنک پیدا ہوا اس نے علم ہیئت اور حرکات نجوم میں بڑی مہارت حاصل کی اسی زمانے میں ڈنمارک میں ایک اور فلاسفر ویخر براہی اور جرمن میں کیپلر اور اطالیہ میں گلیلیو پیدا ہوئے اور فلکیات اور حرکات نجوم کے فن میں مہارت حاصل کی یہ سب اس پر متفق ہو گئے کہ صحیح نظریہ فیثا غورسی کا تھا جس کو رومیوں نے نظر انداز کر دیا تھا۔ انہوں نے از سر نو یہ رائے قائم کی کہ مرکز عالم آفتاب ہے اور زمین اور تمام ستارے آفتاب کے گرد گھومتے ہیں۔ ان لوگوں نے چاند کو اون ستاروں میں شمار نہیں کیا جو آفتاب کے گرد بلاواسطہ گھومتے ہیں بلکہ یہ قرار دیا کہ چاند زمین کے گرد گھومتا ہے اور بعد کی تحقیقات والوں نے یہ بھی بتلایا کہ چاند ایک نہیں بلکہ ہر سیارے کے گرد ایک یا دو یا زائد چاند گھومتے ہیں۔ اس زمانے سے یہی فیثا غورسی نظریہ پھر ابھر کر دنیا کے سامنے آیا اور اس کی تصدیق و تائید پر بہت سی کتابیں لکھی گئیں اور اسی سبب سے زیادہ قدیم نظریئے کو اب ہیئت جدیدہ کا نام دیدیا گیا کیونکہ اس کی نشاۃ ثانیہ سولہویں صدی عیسوی و گیارہویں ہجری میں ہوئی تھی یہ ہیئت کوپرنیکوس کے نئے نام سے مشہور کیا گیا گلیلیو نے اس کی تحقیق کے لئے بڑی دوربینیں ایجاد کیں جنکے ذریعہ اس نظریہ کی اور تقویت ہوئی۔ پھر اٹھارویں صدی عیسوی تیرہویں ہجری میں اسحاق نیوٹن نے یہ تحقیق کی کہ بطلیموسی نظریہ میں جو تمام وزنی چیزوں کا فطری میلان زمین کے مرکز کی طرف بتلایا گیا یہ بھی صحیح نہیں بلکہ اصل حقیقت

یہ ہے کہ جتنے سیارے آفتاب کے گرد گھومتے ہیں ان سب میں ایک کشش ہے جیسے مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے یہ سیارے ہر چیز کو اپنی طرف کھینچتے ہیں اور آفتاب چونکہ ان سب سیارات کے مقابلہ میں بہت بڑا ہے۔ اور کرۂ زمین سے ایک کروڑ تین لاکھ اٹھائیس ہزار گنا بڑا ہے۔

(ماول علیہ القرآن ص ۳۳)

وہ ان سب سیاروں کو کھینچتا ہے اور یہ پورا نظام شمسی اسی جذب و کشش کے اصول پر قائم ہے۔ اسی سے نتیجہ یہ نکل آیا ۔۔۔ وزنی چیزیں جو اوپر جائیں وہ نیچے اس لئے گرتی ہیں کہ زمین کی کشش اون کو نیچے لاتی ہے اگر کوئی چیز کسی طرح زمین کی کشش کی حد سے باہر نکل جائے تو پھر وہ نیچے نہیں آئے گی۔

حال روسی اور امریکی ماہرین نے راکٹوں کے ذریعہ اس کا تجربہ اور مشاہدہ کر لیا کہ راکٹ جب اپنی تیز رفتاری اور بھاری طاقت کی وجہ سے زمین کی کشش سے متاثر ہوئے بغیر اوس فضا نکل گیا جہاں تک زمین کی کشش تھی تو اب کتنی ہی وزنی چیز ہو نیچے نہیں آئے گی بلکہ ایک مصنوعی سیارے کی حیثیت اختیار کر لے گی۔ مصنوعی سیاروں کا تجربہ اور مشاہدہ اس زمانے میں ایسا ہو گیا کہ اوس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

یہیں سے اس کا راستہ نکل آیا کہ ایک سیارے سے دوسرے سیارے پر پہونچنے کی صورتیں پیدا کی گئیں چاند پر خلائی جہاز پہونچا دیا گیا جس کو موافق و مخالف اہل فن نے تسلیم کر لیا۔ زہرہ پر پہونچانے کی بھی خبریں آرہی ہیں۔ ابھی یہ مراحل بہت دور ہیں کہ کوئی انسان۔ چاند یا مریخ یا زہرہ کی سطح پر جا کر زندہ بھی رہ سکے گا یا نہیں اور انکی سطح کس طرح کی ہے وہاں جا کر کیا پائیں گے۔ کیا کھائیں گے اور وہاں سے لوٹ بھی سکیں گے یا نہیں اور یہ کہ ان منصوبوں سے دنیا کو کیا حاصل ہوگا۔ یہ سب چیزیں ابھی تک موہوم خیالات سے زیادہ نہیں اور یہاں اسکی بحث کا موقع نہیں کہ ان موہوم منصوبوں کی خاطر دنیا کا اربوں کھربوں روپیہ جو زمین کی مخلوق کی ضروریات کے لئے تھا ان کو اس سے محروم کر کے سیاروں میں پھینک دینے کو دانشمندانہ اقدام کہا جائے یا اور کچھ۔ بہرحال اس خلائی دوڑ نے بلاشبہ بہت سے حیرت انگیز انکشافات سامنے کر دیئے۔

لیکن ان تمام نئے تجربوں اور مشاہدوں کے ساتھ یہ بھی واضح ہوتا چلا گیا کہ جو کچھ اب تک معلوم کیا گیا ہے وہ حرف آخر نہیں اور ان سے جو نتائج نکالے جا رہے ہیں اون کو کسی حیثیت سے قطعی اور یقینی نہیں کہا جا سکتا۔

ان جدید نظریات میں جہاں تک اہل تحقیق علماء نے غور و فکر کیا ہے۔ کوئی چیز قرآن و سنت کے اصولوں کے خلاف نہیں بجز اس کے کہ فیثاغورس کے اصل نظریہ میں آفتاب کو ساکن قرار دیا گیا تھا اور یوروپ کے ماہرین بھی صدیوں تک یہی کہتے رہے تھے۔ یہ امر قرآن کریم کی اس تصریح کے خلاف ہے جو سورۂ یٰسین میں موجود ہے۔ والشمس تجری لمستقر لھا جس سے آفتاب کا بھی حرکت کرنا ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے ہمارا یہ عقیدہ تھا کہ جس طرح آج کے تجربات نے بطلیموسی نظریہ کو غلط ثابت کر دیا ہے۔ آفتاب کے ساکن ہو جانے کا نظریہ بھی یقینی غلط ہے ممکن ہے کہ آئندہ تحقیقات اس کے غلط ہونے کا بھی ثبوت بہم پہونچا دیں۔

چنانچہ اٹھارویں صدی عیسوی اور تیرھویں ہجری میں ہیئت جدید کے ماہرین کو اول تو یہ تسلیم کرنا پڑا کہ آفتاب خود اپنے طور پر حرکت کرتا ہے اور بعد کی تحقیقات نے اس کو بھی تسلیم کر لیا کہ آفتاب اپنے محور کی حرکت کے علاوہ پورے نظام شمسی کے ساتھ ثریا کے کسی ستارے کے گرد حرکت کرتا ہے اور اس کا بھی امکان تسلیم کیا گیا کہ پھر وہ ستارہ اس سیاراتی نظام کے ساتھ کسی اور ستارے کے گرد حرکت کرتا ہو۔ کیونکہ نہ اس فضائے آسمانی کی کوئی حد و انتہا نظر آتی ہے اور نہ ستاروں کی تعداد شمار کی جا سکتی ہے انہیں نئی تحقیقات نے یہ بھی بتلایا کہ بہت سے ستارے

(بقیہ صفحہ ۱۵ پر)

درسگاہ رسالت

مولانا سلیم اللہ صاحب
مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی

حدیث جبرئیل ؑ

سلسلے کے لئے ملاحظہ ہو البلاغ ماہ شعبان ۱۳۸۷ھ

وَالیَومِ الآخِرِ۔

یوں تو اس دنیا میں سینکڑوں انسان روزانہ مرتے ہیں اور اتنے ہی ان کی جگہ دوسرے پیدا ہو جاتے ہیں پھر یہ سلسلہ افراد اور جزئیات تک ہی محدود نہیں ہے۔ قومیں کی قومیں اسی طرح اس کارگاہ ہستی میں باری باری آتی اور جاتی رہی ہیں۔ یہ سلسلہ جس وقت سے قائم ہوا ہے برابر چلا آرہا ہے اور دنیا کی رونق بدستور موجود ہے۔

قرآن وحدیث نے خبر دی ہے کہ اس دنیا پر ایک ایسا دن بھی آنے والا ہے۔ جب یہ ساری بساط ہستی الٹ جائے گی کائنات کی یہ مجلس درہم برہم ہو جائے گی اور آسمان وزمین کے کرے ٹکرا کر چور چور ہو جائیں گے۔

القارعۃ. ما القارعۃ وما ادراک ما القارعۃ یوم یکون الناس کالفراش المبثوث وتکون الجبال کالعہن المنفوش۔

(قارعہ ۔ ۱)

کھڑکھڑانے والی ہے اور کیا چیز ہے کھڑکھڑانے والی اور تم کو کس نے بتایا کہ کیا چیز ہے کھڑکھڑانے والی یہ وہ دن ہے جب لوگ پریشان پروانوں کی طرح اور پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح ہوں گے۔

اذا زلزلت الارض زلزالھا واخرجت الارض اثقالھا وقال الانسان مالھا یومئذ تحدث اخبارھا۔ (زلزال ۔ ۱)

جب زمین خوب ہلائی جائے گی اور وہ اپنا بوجھ نکالے گی اور انسان کہے گا۔ زمین کو کیا ہوا اور اس دن وہ اپنی حالت بیان کرے گی۔

اذا السماء انفطرت واذا الکواکب انتثرت واذا البحار فجرت واذا القبور بعثرت علمت نفس ما قدمت واخرت۔

(انفطار ۔ ۱)

جب آسمان پھٹ جائیں گے اور جب تارے بکھر جائیں گے اور جب سمندر چلائے جائیں گے اور جب قبروں والے زندہ کئے جائیں گے تو جان لے گا نفس ان تمام چیزوں کو جو اس نے پہلے بھیجی اور بعد میں۔

اذا الشمس کورت واذا النجوم انکدرت واذا الجبال سیرت۔ (تکویر ۔ ۱)

جب سورج بے نور کر دیا جائے گا اور جب تارے تاریک ہو جائیں گے اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے۔

یوم تبدل الارض غیر الارض والسموت وبرزوا للہ الواحد القھار۔ (ابراہیم ۔ ۷)

جس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل جائے گی اور آسمان بھی بدل جائیں گے اور سب لوگ اس ایک سب پر قابو رکھنے والے خدا کے سامنے نکل کھڑے ہوں گے۔

اس قسم کی اور بہت سی آیتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت میں اس دنیا کا نظام درہم برہم ہو جائے گا اور دنیا کی یہ زندگی ختم کردی جائے گی نہ یہ زمین رہے گی اور نہ آسمان بلکہ اس کی جگہ نئی زمین اور نیا آسمان بنے گا۔ اور پچھلی دنیا کے نتائج پر اس نئی دنیا کی حکومت کا قانون جاری ہوگا۔

تعلیم محمدیؐ نے اس حقیقت کو ایمان کے اصول میں داخل کیا ہے چونکہ اگر یہ تعلیم عقائد میں داخل نہ ہوتی تو دلوں میں اعمال کی جزاء و سزا کی معصیت اور عظمت نہ بیٹھتی اور نہ احکام الٰہی کی تعمیل کی طرف دلی رجحان اور میلان پیدا ہوتا۔

فالذین لا یؤمنون بالاخرۃ قلوبھم منکرۃ وھم مستکبرون

(نحل - ۳)

تو جو لوگ آخرت کا یقین نہیں کرتے ان کے دل نہیں مانتے اور وہ غرور میں مبتلا ہیں۔

اسی لئے نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت کا حکم ہے جس کا ایک ٹکڑا یہ بھی ہے۔ "مالکِ یوم الدین" روز جزا کا مالک اس طرح کس خوبصورتی کے ساتھ عقیدۂ قیامت کو مسلمانوں کے دلوں میں راسخ کیا گیا ہے۔

چنانچہ قرآن کریم نے قیامت کی ضرورت پر دوسری دلیلوں سے قطع نظر کر کے عموماً دو باتوں سے استدلال کیا ہے۔ اول یہ کہ انسان کو بے مقصد اور بے کار پیدا نہیں کیا گیا اگر اس کے اعمال پر گرفت اور جزاء و سزا نہ ہو تو خیر و شر اور نیکی و بدی کا امتیاز ختم ہو جاتا ہے۔ اور انسانی زندگی ہی بے مقصد اور بالکل فضول رہ جاتی ہے۔

افحسبتم انما خلقنکم عبثا وانکم الینا لا ترجعون (مومنون)

(اے لوگو!) کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تم کو بیکار پیدا کیا اور تم ہماری طرف لوٹائے نہ جاؤ گے۔

ایحسب الانسان ان یترک سدی (قیامہ)

کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ بیکار چھوڑ دیا جائے گا۔

دوسری بات جو اس روز جزا کی ضرورت کے ثبوت میں قرآن نے پیش کی ہے وہ عدالت کا عادل اور منصف ہونا ہے اگر اچھے اور برے اعمال کی جزاء و سزا نہ ہو تو دونوں کا درجہ برابر ہو جائے اور نیکی و بدی اور گناہ و ثواب کے کوئی معنی نہ رہیں اس موجودہ مادی دنیا میں بھی انسانوں کو اپنے اعمال کی کچھ نہ کچھ جزا ملتی ہے۔ لیکن یہ بھی صاف نظر آتا ہے کہ بہت سے سیہ کار اور ظالم یہاں آرام اور چین کی زندگی بسر کرتے ہیں اور بہت سے اچھے اور پرہیزگار لوگ مصیبتیں اور تکلیفیں جھیلتے ہیں۔ اس لئے موجودہ زندگی یقینی طور پر اعمال کی جزاء و سزا کے لئے اصلی جگہ نہیں ہو سکتی۔ اس بناء پر دوسری زندگی کا ماننا ضروری ہے جہاں ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ مل سکے اس موجودہ دنیا کے بیادی حکام اپنے ناقص علم کے مطابق اچھوں اور بروں کو ان کے اعمال کی جزاء و سزا دیتے رہتے ہیں۔ پھر کتنا ضروری ہے کہ پوری دنیا کا عالم الغیب حاکم اپنے صحیح علم کے مطابق لوگوں کو جزاء و سزا دیکر اپنے عدل و انصاف کا ثبوت دے سورۂ والتین میں اسی استدلال کی طرف اشارہ ہے۔

الا الذین آمنوا وعملوا الصلحت فلھم اجر غیر ممنون فما یکذبک بعد بالدین الیس اللہ باحکم الحاکمین۔

(والتین - ۱)

لیکن جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک کام کئے ان کے لئے نہ ختم ہونے والا اجر ہے پھر اس کے بعد تجھ کو کیا چیز جزا پر یقین لانے نہیں دیتی۔ کیا اللہ تمام حاکموں میں سب سے بڑا حاکم نہیں (تمام فیصلہ کرنے والوں میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا نہیں)

اسی لئے قرآن پاک کی مختلف آیتوں میں اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ نیک و بد کا نتیجہ عمل یکساں نہیں ہو سکتا۔ ایک جگہ فرمایا گیا ہے۔

ام نجعل الذین آمنوا وعملوا الصلحت کالمفسدین فی الارض

ام نجعل المتقین کالفجار (ص ۳)

کیا ان کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان کی طرح کر دیں جو زمین میں فساد کرتے ہیں یا پرہیزگاروں کو بدکاروں کی طرح کر دیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

ام حسب الذین اجترحوا السیات ان نجعلھم کالذین آمنوا وعملوا الصلحت سواء محیاھم ومماتھم ساء ما یحکمون۔ (جاثیہ - ۲)

کیا انہوں نے جنہوں نے گناہ کمائے یہ خیال کیا ہے کہ ہم اُن کو اُن کی طرح کر دیں گے جو ایمان لائے۔ اور نیک کام کئے ان دونوں کی زندگی اور موت برابر ہوگی ؟ ان کا یہ خیال بُرا ہے۔

اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہئیے کہ جس طرح اس مادی دنیا میں "عمل اور ردعمل" کا اصول جاری ہے۔ آخرت میں بھی ایسا ہوگا۔ وہاں جزا و سزا کی جتنی صورتیں بھی ہوں گی وہ دراصل ہمارے دنیاوی اعمال کا ردعمل ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ گناہ کے لازمی نتیجہ کا نام اسلام میں "عقاب" اور اعمال صالحہ کے لازمی نتیجہ کا نام "ثواب" رکھا گیا ہے۔ قرآن کریم نے انہی دونوں اصطلاحوں کو بار بار استعمال کیا ہے۔ عقاب کا لفظ عقب سے نکلا ہے جس کے معنی پیچھے کے ہیں۔ اسلئے عقاب اس ... اثر کا نام ہے جو کسی فعل کے کرنے کے بعد لازم آجاتا ہے اور ثواب کا لفظ ثوب سے لیا گیا ہے جس کے معنی لوٹنے کے ہیں اس لئے یہ کسی اچھے کام کے لوٹنے والے نتیجہ اور جزا کے معنی میں بولا گیا ہے۔

الیوم تجزون ما کنتم تعملون (جاثیہ - ۴)

جو تم کرتے تھے وہی آج بدلہ پاؤ گے۔

لتجزیٰ کل نفس بما تسعیٰ (طہ - ۱)

تاکہ ہر جان کو اس کا بدلہ دیا جائے جو وہ کرتی تھی۔

فاصابھم سیات ما عملوا وحاق بھم ما کانوا بہ یستھزؤن (نحل - ۴)

چنانچہ ان کے برے کام ان پر پڑے اور ان کا تمسخر کرنا اُن پر الٹ پڑا۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جزا و سزا ہمارے ہی اعمال کا ردعمل ہوتا ہے۔

الیوم الآخر کے ذیل میں پیش کردہ گذارشات کا حاصل یہ ہے کہ انسان کے تین گھر ہیں۔ ایک موجودہ فانی عالم جس کو دنیا کہتے ہیں اور دوسرا درمیانی عالم قبر جس کا نام برزخ ہے اور تیسرا اس غیر فانی زندگی کا گھر جس کو دار آخرت کہتے ہیں۔ انسان کے ہر نیک و بد فعل کی پوری پوری جزا و سزا تو دوسری دنیا کی زندگی میں ملتی ہے۔ لیکن موجودہ دنیا میں بھی افعال کے نتائج کسی نہ کسی درجے میں رونما ضرور ہوتے ہیں۔ چنانچہ نیکوکار مسلمانوں کے حق میں فرمایا گیا ہے۔

فاٰتھم اللہ ثواب الدنیا وحسن ثواب الآخرۃ واللہ یحب المحسنین (ال عمران - ۱۵)

پس خدا نے ان کو دنیا کا بدلہ بھی دیا اور آخرت کے ثواب کی خوبی بھی اور اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

ایمان اور عمل صالح والوں سے یہ وعدہ تھا کہ

وعد اللہ الذین آمنوا وعملوا الصلحت منھم مغفرۃ واجرا عظیما۔ (فتح - ۴)

خدا نے اُن سے جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے گناہوں کی بخشش اور بڑے اجر کا وعدہ کیا

اور یہ وعدہ بھی انہی سے ہے۔

وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم (نور - ۷)

خدا نے ان سے جو تم میں سے ایمان لائے اور اچھے کام کئے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کو ملک میں حاکم بنائیگا جس طرح ان سے اگلوں کو حاکم بنایا تھا۔

اسی طرح بدکاروں کی جزا میں دنیا و آخرت دونوں کی

ذلت اور رسوائی کو بیان کیا گیا ہے۔

خسر الدنیا و الآخرۃ　(حج - ۲)

اس نے دنیا و آخرت کا نقصان اٹھایا۔

لھم فی الدنیا خزی ولھم فی الآخرۃ عذاب عظیم۔

(بقرہ - ۱۴)

ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بڑا عذاب ہے۔

فاعذبھم عذابا شدیدا فی الدنیا و الآخرۃ۔

(آل عمران - ۲)

تو میں ان کو دنیا و آخرت میں سخت سزا دوں گا۔

پھر دنیا کے مقابلہ میں جس طرح آخرت کی زندگی باقی رہنے والی اور پائیدار ہے اسی طرح آخرت کا ثواب بھی دنیا کے ثواب سے زیادہ قدر و قیمت رکھتا ہے۔

للذین احسنوا فی ھذہ الدنیا حسنۃ ط ولدار الآخرۃ خیر ولنعم دار المتقین　(نحل - ۲)

جنہوں نے نیک کام کئے اس دنیا میں انکے لئے بھلائی ہے۔ اور بلاشبہ آخرت کا گھر بہتر ہے اور پرہیزگاروں کا گھر کیا اچھا ہے۔

اسی طرح گناہ گاروں کے لئے آخرت کی ذلت اور رسوائی دنیا کی ذلت اور رسوائی سے بڑھ کر ہے۔

فاذاقھم اللہ الخزی فی الحیوۃ الدنیا ولعذاب الآخرۃ اکبر م لو کانوا یعلمون　(زمر - ۳)

پس خدا نے ان کو اس دنیاوی زندگی میں رسوائی کا مزہ چکھایا اور البتہ آخرت کا عذاب اس سے بھی بڑا ہے۔ کاش وہ جانتے۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔

ولعذاب الآخرۃ اشد وابقی

(طٰہٰ - ۷)

اور آخرت کا عذاب البتہ زیادہ سخت اور زیادہ دیرپا ہے۔

دنیاوی جزا و سزا کے مقابلہ میں جزا و سزا کی برزخی کیفیات کہیں زیادہ ہیں تو پھر آخرت کا کیا کہنا کہ وہ لازوال اور باقی و پائیدار زندگی ہے۔

انسان کی فلاح اور کامیابی اسی میں ہے کہ وہ دنیا کی دولت و قوت اور زر و حکومت کو بھی آخرت کی لازوال نعمتوں کے حصول میں صرف کر دے۔

وابتغ فیما اتاک اللہ الدار الآخرۃ ولا تنس نصیبک من الدنیا واحسن کما احسن اللہ الیک ولا تبغ الفساد فی الارض　(قصص - ۸)

اور خدا نے جو تجھ کو دیا ہے۔ اس سے آخرت کا گھر تلاش کر اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھول اور جس طرح خدا نے تجھ پر احسان کیا ہے، تو بھی (خدا کے بندوں پر) احسان کر اور (اس دولت سے) زمین میں خرابی نہ چاہ۔

(باقی آئندہ)

بقیہ معارف القرآن

زمین سے اتنی دور ہیں کہ ان کی روشنی زمین تک ایکسو برس میں پہونچتی ہے۔ حالانکہ روشنی کی حرکت اتنی تیز ہے کہ آفتاب جو زمین سے چونتیس کروڑ فرسخ (کوس) کے فاصلے پر ہے۔ اس کے باوجود اوس کی روشنی زمین پر آٹھ منٹ تیرہ سکنڈ میں پہونچ جاتی ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جن ستاروں کی روشنی ایک سو برس میں یہاں پہونچتی ہے وہ کتنی دور رہوں گے۔

یہی وہ امور ہیں جن کو غور و تحقیق سے دیکھا جائے تو خود اس کا ثبوت ہیں کہ فلکیات اور نجوم کے معاملے میں آج کی جدید سائنس نے جتنی نئی تحقیقات اور انکشافات کئے ہیں وہ پچھلے زمانے کی نسبت سے کتنے ہی زیادہ بلند اور حیرت انگیز ہوں مگر فلکیات اور نجوم کی اصل حقیقت اور ان کے

مولانا سید انظر شاہ کشمیری
استاذ تفسیر دار العلوم دیوبند

قرآنی مضامین کا معجزانہ ربط

کہنے کو تو اس پھیلی ہوئی طویل عریض دنیا کا ہر مسلمان جو صحیح العقیدہ اور راست فکر ہو قرآن حکیم کو ایک "معجزہ" ہی کہتا ہے۔ عوام اہل علم سے سُن کر اور خواص اس صحیفۂ آسمانی کا گہرے اور ہمہ جہت مطالعہ کے بعد۔ لیکن قرآن مجید کا اعجاز کس چیز میں ہے آیا اس کے الفاظ۔ تعبیرات۔ اسلوب شوکت بیان۔ مضامین کی گہرائی و گیرائی۔ در وبست نظم دنسق۔ خبروں کا واقعہ کے مطابق ہونے میں یا اپنی تعلیمات کے نکھار اور ندرت کے اعتبار سے۔ یا پھر مضامین کی تاثیر و دلپذیری کے لحاظ سے۔ ٹھیک اسی اعجاز کو ثابت کرنے کے لئے اہل علم نے قلم اٹھایا تو بلا مبالغہ تصانیف کا انبار ہی لگ گیا۔ لیکن علماء کی ان تمام کاوشوں سے ذرا تھوڑی دیر کے لئے جدا ہو کر دیکھئے تو بلا مبالغہ قرآن حکیم ایک ایسا شاداب چمنستان ہے جس کا ہر رخ ہر منظر۔ ہر گوشہ اور ہر نظارہ دیدہ و دل کے لئے تختۂ گل یا لطیف پھولوں کی دل آویز پھبن ہے۔ ایک مستحکم عمارت ہے۔ جس کی ہر جانب اپنی رعنائی، دلکشی اور دلفریبی کے اعتبار سے اپنی نظیر آپ ہے اور عرض تو یہی کرنے کو جی چاہتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی گھڑی گھڑائی اس عمارت میں کوئی بھی رخ جاذبیت ... میں کسی سے کم ہونا بھی نہیں چاہئے تھی۔ بھلا انسانی تصانیف جن کے بعض اجزاء دوسرے اجزاء پر غالب اور خوبی و تاثیر کے دائرہ میں کچھ چیزیں دوسری چیزوں سے گھٹی ہوئی ہیں۔ اگر یہی حال خدا تعالیٰ کے کلام کا بھی ہوتا تو دریافت یہی کرنا ہے کہ خدا اور انسان کے کلام میں فرق کیا رہ جاتا؟ اس لئے سنی سنائی طور پر نہیں بلکہ یقین و عقیدہ رکھتا ہوں، جو قرآن حکیم کے مسلسل مطالعہ اور ایک طالب علم کی حیثیت سے میرے ضمیر و دماغ کی رگ رگ میں پیوست ہے کہ قرآن حکیم اپنے ہر پہلو کے اعتبار سے ایک اعجاز اور ایک لافانی شاہکار ہے۔

بلکہ راقم الحروف کی نظر میں تو قرآن حکیم کے اعجاز کو کسی ایک ہی جہت اور دائرہ میں بند کرنا درحقیقت اعجاز کی حقیقت اور اس کے حدود سے ناواقفیت ہی ہے۔ قدیم و جدید علماء کی اس بارہ میں "جدت طرازیوں" کو جب عقیدت کے ساتھ دیکھتا ہوں تو اس کے سوا میرا ذہن اور کوئی توجیہ نہیں کرسکتا کہ" بیچاروں کو اعجاز کے کھلے کھلائے چمن زار میں لطیف و نظیف منظر یہی دکھائی دیا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اہل علم قرآن حکیم کے اعجاز پر ندرت فکر۔ اور شادابیٔ علم کے جو ذخیرے چھوڑ گئے ہیں وہ قابل قدر نہیں۔ معاذ اللہ نہ صرف عقیدہ بلکہ واقعات کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ قرآن حکیم کے اعجاز کا سراغ انہیں خواص اور فضل و کمال کی بلند پایہ مسندوں کا فیض اور رشحۂ کرم ہے اور یہ

خود قرآن مجید کا ایک اعجاز ہے کہ اس کے اعجاز کے تازہ بتازہ نو بہ نو۔ رخ قیامت تک کھلتے رہیں گے۔ اور یہ ہونا بھی چاہیئے۔ اس لئے کہ جس الہامی کتاب کی عمر اس کائنات کی پوری مدت کے ساتھ ٹانک دی گئی ہر دور میں اس سے انسانی دل و دماغ کو وابستہ رکھنے کے لئے علمی دلچسپیوں کا سامان بہم پہونچتا رہے۔ ذرا سوچئے تو سہی کہ ایک ہے قرآن کی تعلیمات پر عمل، سو اس کے لئے دنیا کا ہر مومن پابند ہے کہ ہر دور اور ہر آن اسی پر عمل کرتا رہے لیکن عمل کے بعد بھی قرآن حکیم سے ایک ایسا اٹوٹ تعلق جو فکر و عمل کو اس سے جوڑے رکھے سوائے "اعجاز" کے اور کیا ہے؟ اس لئے مجھے حکیم و بصیر کا یہ بھی لطیفہ "اعجاز" نظر آتا ہے کہ قرآن حکیم میں علمی دلچسپیوں کیلئے نہ ختم ہونے والے خزانے اس قوت سے مستور کر دئے ہیں کہ اسی زمین و آسمان میں کھوج لگا لگا کر نئی نئی دولتیں انشاءاللہ ہمیشہ ہاتھ آتی رہیں گی۔ پندرہ سال کا طویل عرصہ کہیئے یا مختصر، قرآن حکیم کے ایک عقیدت مند طالب علم اور جویائے حقیقت کو قرآن حکیم کا ایک خاص پہلو اعجاز کا جو نظر آیا اس وقت اسی پر کچھ باتیں عرض کرنا ہیں مسلسل دیکھتا چلا آتا ہوں کہ قرآن حکیم کے انتقالات بھی اعجاز کا ایک دلآویز پہلو لئے ہوئے ہیں۔

انتقالات سے مراد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے کلام میں ایک مضمون سے دوسرے مضمون تک منتقل ہوتے ہیں تو نقل و حرکت کا یہ سلسلہ بھی معجز شان کا پورا مظہر ہوتا ہے۔

قرآنی انتقالات کی تفصیل یوں تو بڑی طویل ہے لیکن نمونہ کے لئے چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔ ان انتقالات میں قرآن حکیم کے پیش نظر بہت سے مقاصد رہتے ہیں۔ انشاءاللہ ان مقاصد کی مختصر تفصیل زیر قلم رہے گی سورہ بقرہ ہی میں پوچھنے والوں نے جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے چاند کے گھٹنے بڑھنے کے متعلق پوچھا جیسا کہ قرآن حکیم کا بیان ہے۔

یسئلونک عن الاھلۃ

پوچھا جا رہا ہے آپ سے چاند کے متعلق

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین موجودہ اصطلاح میں چاند کے گھٹاؤ بڑھاؤ کی سائنس معلوم کرنا چاہتے تھے ظاہر ہے علوم میں بعض وہ علم بھی ہیں جن سے آخرت سازی میں کوئی بھی مدد نہیں ملتی بلکہ ایسے علوم اپنی خصوصیات اور اثرات کے اعتبار سے غافل کر دینے کی اپنے اندر زبردست ہمیت رکھتے ہیں حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم کا یہ سوال اور سوال کا مقصد براہ راست انہیں غیر مفید علوم و معلومات سے جا ملتا اس لئے قرآن حکیم نے ذہنوں کو اس سوال سے منتقل کر کے ایک ایسی حقیقت کی طرف پھیر دینا چاہا جو ہر حال میں یکساں مفید ہے۔ جواب یہ دیا گیا۔

قل ھی مواقیت للناس والحج

آپ کہدیجئے وہ لوگوں کے لئے اور حج کے لئے
شناخت اوقات کا ذریعہ ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ معلوم یہ کرو کہ اس کے گھٹنے بڑھنے سے کائنات انسانی کو فائدہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ سوالات کا کوئی دوسرا رخ کسی طرح بھی کارآمد نہیں۔ جن علوم کو حاصل کرنے کے لئے خدا اور اس کے رسول نے کوئی ذمہ داری عائد نہیں کی ایسی غیر لازم چیز کو خود پر لازم کر لینا۔ نہ شرعاً مطلوب نہ انسانی افادی نقطۂ نظر سے کوئی پسندیدہ و بہتر کام۔ اسی لئے اس سوال و جواب کے بعد متصلاً عرب جاہلیت کے ایک غلط دستور پر قدغن کرتے ہوئے فرمایا کہ۔

ولیس البر بان تاتوا البیوت من ظھورھا

اور یہ کوئی بھی نیکی نہیں کہ تم گھروں میں انکی پشت
کی طرف سے آؤ۔

ولکن البر من اتقی واتوا البیوت من ابوابھا

البتہ نیکی یہ ہے کہ کوئی شخص تقویٰ اختیار کرے
اور گھروں میں انکے دروازے سے ہی آؤ۔

احرام پوش ہونے کے بعد گھروں میں جانیکی ضرورت پر سیدھے سادھے راستے چھوڑ کر چھتوں پر سے چڑھ کر

داخل ہونا التزام مالا یلزم تھا اور اسی کو نیکی تصور کرتے ہوئے اس طرح اپنے پر عائد کیا کہ ترک بھی گناہ معلوم ہوتا۔ حالانکہ یہ حرکت کوئی نیکی یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد فریضہ تھا ہی نہیں، ایسے ہی چاند کے متعلق ٹھیک اسی نقطۂ نظر سے سوال جس طرح کیا گیا تھا اس سلسلہ کی کاوشیں تمام تر التزام مالا یلزم کے قبیل سے تھیں، گھروں میں انکے دروازے سے ہی داخل ہو، ہر مرحلہ پر راست راہوں کو اختیار کرنے کا ایک عام قانون ہے۔ ظاہر ہے کہ علم بھی ایک "بیت" ہے۔ اس بیت العلم میں بھی سیدھی اور مناسب راہ داخل ہونے کے لئے پیش نظر رکھنا ضروری ہو جاتا اب چاند سے متعلق سوال۔ اور اس نقطۂ نظر کے تحت جو سامنے رکھ کر کیا گیا تھا گھر میں داخل ہونے کی ایک غلط کوشش تھی اور قرآنی ہدایت کے مطابق سوال گھر میں پہنچنے کی ایک سیدھی سادھی شکل ہے۔ انہیں آیات کے بعد مسئلہ یہ کھڑا ہو گیا کہ حدود حرم اور زمانۂ احرام میں کیا کفار سے جہاد جائز ہو گا۔ مسلمان مکہ معظمہ کی سرزمین پر مظلومیت کے ساتھ جاں ہی دینا بڑی نیکی یقین کرتے تھے اقدام جہاد تو درکنار دفاع اور مدافعت جو انسان کا معقول حق ہے اس کے لئے بھی ان کے ذہن آمادہ و مستعد نہیں تھے یہی وہ التزام مالا یلزم تھا جس پر قرآن حکیم نے تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

اور اللہ کی راہ میں لڑو ان لوگوں سے جو تم سے لڑتے ہیں

یہ فرماتے ہوئے حرم کے حدود میں دست بدست لڑائی کو، اشد ترین گناہ باور کرنے والے نیکی پسند مومنین کو سمجھایا گیا۔

الفتنة اشد من القتل

فتنہ تو قتل سے بھی سخت تر ہے۔

یعنی مشرکین مکہ کفر و شرک میں مبتلا ہو کر نت نئے فتنہ آرائیوں میں جو دلچسپی رکھتے ہیں دفاع و مدافعت کے مقابل میں قوی ترین گناہ تو وہی ہے، بہرحال قرآن حکیم نے ایک مضمون سے ذہنوں کو منتقل کر کے جو دوسرے فکر و نظر کے باب ان کے لئے اس موقع پر کھولے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کے انتقالات کس قدر اہم اور مقاصد کے اعتبار سے کس درجہ وقیع ہیں۔

اسی طرح سورہ مائدہ میں یہود و نصاریٰ کے خرافاتی نظریات نقل کرتے ہوئے ایک موقع پر ارشاد ہوا کہ۔

"یہود اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم خدا کے لڑکے اور اس کے چہیتے ہیں"

اس باطل ترین زعم کا ایک جواب تو لگے ہاتھ یہ دیا گیا کہ اگر واقعی تم ایسے ہی ہو جیسا کہ تمہارا خیال ہے تو

"پھر خدا تمہیں گناہوں پر سزا کیوں دیتا ہے"

اس کے بعد یہود کی طویل بے عنوانیوں کا مفصل ذکر کرتے ہوئے اچانک حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹے ھابیل اور قابیل میں پیش آئے ہوئے واقعہ کا ذکر شروع ہو گیا یہ واقعہ اس وقت شروع ہوا۔

"جب دونوں نے ایک نیاز پیش کی ان میں سے ایک کی تو قبول ہو گئی اور دوسرے کی قبول نہیں ہوئی اس پر وہ دوسرا بولا کہ میں تجھ کو قتل کر دوں گا پہلے نے کہا کہ اللہ تعالیٰ متقین کا عمل قبول کرتا ہے"۔

اور بالآخر حسد کے آتشین جذبات سے مغلوب و سوختہ قابیل نے ھابیل کی جان پوری بے دردی سے لے لی۔ اب ذرا سوچئے کہ جن یہود و نصاریٰ نے خود کو خدا تعالیٰ کی اولاد اور چہیتے قرار دیا تھا وہ اولاد نبی تھے لیکن انبیا علیہم السلام کی بلا واسطہ اولاد نہیں بلکہ صرف ان کی مقدس نسل ہیں اور ادھر قرآن حکیم نے دو ایسے شخصوں کا واقعہ سنایا جو براہِ راست اول نبی و ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کی بلا واسطہ اولاد تھی قابیل کو اس کی بدکرداری اور ارتکاب گناہ پر جو سزاء ملی اس سے بچنے کے سلسلے میں آدم علیہ السلام کی اولاد ہونے سے ہونا ذرا بھی کارآمد ہوا بتانا یہی چاہا کہ قبولیت کی بنیاد تقویٰ ہے

نہ کہ کسی مقدس پیغمبر کی نسل اور خانوادہ سے تعلق۔ گویا کہ قرآن مجید نے ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی جانب پوری اعجازی شان کے ساتھ انتقال کیا یہی قرآن حکیم کے معجزانہ انتقالات ہیں! سورہ کہف جیسا کہ معلوم ہے مشرکین مکہ کے چند سوالات کے جواب میں نازل ہوئی جو یہود کی تعلیم و تلقین پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کئے گئے۔ پوچھنے والوں نے چند ایسی تاریخی الجھنیں آپ کے سامنے رکھدی تھیں کہ اس وقت اور آج بھی عالمی تاریخ ان سوالات کے واقعی حل سے عاجز ہے اور خود دریافت کرنے والوں کے پیش نظر بھی ان سوالات کو سامنے رکھنے سے یہی تھا کہ انسانی علم کی دسترس سے ان سوالات کا جواب یا عقدوں کی گرہ کشائی ممکن نہیں تھی اور ساتھ ہی اصحاب کہف کے واقعہ میں عجائبات سے انسانی ذہن بے پناہ متاثر تھا یہاں تک کہ خود قرآن حکیم کو کہنا پڑا کہ۔

ام حسبت ان اصحاب الکھف والرقیم کانوا من اٰیتنا عجبا۔

کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ اصحاب کہف اور کتبہ والے ہماری نشانیوں میں کچھ تعجب کی چیز تھے۔

اور پھر اسی حیرت انگیز و حیرت زا واقعات کے ضروری اجزاء میں خصوصی توجہ اس نقطہ نظر پر رہی کہ اصحاب کہف کے لئے یہ تمام مناسب انتظامات اور دشمنوں سے عافیت کا معقول سروسامان ان نوجوانوں کے "تقویٰ" للہیت، ایمان میں پختگی، عمل میں درستگی کے بار آور نتائج تھے۔ اچانک حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک "علمی رحلت" اور خضر علیہ السلام سے ملاقات۔ اس ملاقات میں خضر علیہ السلام کے حیرت انگیز اقدامات اور تکوینیات میں تعجب خیز تبدیلیاں تفصیل سے سنا کر بتا دیا کہ دیکھنے والوں کو قصہ اصحاب کہف میں عجائبات اور آیات الہی کا منظر نظر آتا ہے حالانکہ قدم قدم پر آیات الہی کا وہ دفتر کھلا ہوا ہے۔ جو دانش بینش کے لئے عبرت زا ہے اس طول طویل دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب کچھ آیات الہی کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے لیکن انسان نے حوادث و واقعات سے سبق لینے کی راہیں خود پر بند کرلیں اور پھر انہیں عجائبات کے دفتر سے ایک اور واقعہ "ذوالقرنین" کا سامنے رکھا گیا جسکی شخصیت کارنامے، یاجوج و ماجوج کے ہنگامے، انکی فتنہ سامانیوں کا انسداد، آیات الہی کا ایک محیر العقول باب ہے اور اس طرح سورہ کہف کو ختم کرنے کے ساتھ ہی سورہ مریم شروع کردی گئی کہف کے بعد مریم کے آغاز سے خدائے علیم و علام نے ذہن انسان کو اسی طرف منتقل کرنا چاہا کہ اصحاب کہف کے واقعات میں آیات الہی کو محدود کرنے والے ذرا ان حیرت خیز واقعات کو سنیں۔ جن سے انہیں معلوم ہو کہ دنیا آیات و عجائبات کا ایک تختہ رنگین ہے، چنانچہ زکریا علیہ السلام کے یہاں ضعف پیری میں بچہ کی پیدائش جبکہ ان کے بیان کے مطابق ان کی اہلیہ محترمہ توالد و تناسل کے تمام امکانات ختم کر چکی تھیں بلکہ دعا کے بعد بھی بشارت پر ان کی حیرت کا جو عالم تھا اسے خود قرآن حکیم ہی نے ان الفاظ کے ساتھ محفوظ کرلیا۔

قال رب انی یکون لی غلام وکانت امرأتی عاقرا وقد بلغت من الکبر عتیا۔

اور بولے زکریا کہ اے میرے پروردگار میرے لڑکا کیسے ہوگا۔ درانحالیکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی انتہا کو پہنچا ہوا ہوں۔

لیکن انہیں مایوس کن حالات میں خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کی ایک آیت و نشان حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کی صورت میں ہمیشہ کے لئے قائم کردی اور قصہ یحییٰ و زکریا علیہ السلام سے فراغت کے ساتھ ہی حضرت مریم اور عیسیٰ علیہ السلام کا وہ عجیب واقعہ سنایا جو اپنے دامن میں آیات الہی کا ایک خزانہ رکھتا ہے یعنی بغیر باپ کے ایک عفیفہ اور پاکدامن بی بی کے یہاں ایک پیغمبر کی پیدائش ذرا انتقالات

کی اس برجستہ ترتیب پر غور کیجئے۔ اصحاب کہف جس کے
حیرت خیز پہلو کے دباؤ سے پوچھنے والوں کے دماغ دبے
جاتے تھے اس قصہ کو سنا کر قصۂ خضر و موسیٰؑ قصہ ذوالقرنین
و یاجوج و ماجوج۔ قصۂ زکریا و یحییٰ اور انتہائی حیرت انگیز
واقعہ قصۂ مریم و عیسیٰ گویا قرآن حکیم ایک حیرت انگیز واقعہ
سے دوسرے حیرت خیز واقعہ کی جانب انسانی ذہن کو دھکیلتا
رہا۔ اور اس طرح قصہ مریم و عیسیٰ علیہما السلام کو قبول کرنے
کے لئے گردو پیش کے واقعات کو غلط رنگ دینے کے بجائے
صرف آیتِ الٰہی کے ایک عظیم مظہر کی حیثیت سے اسے قبول
کرنے کے لئے ذہنوں کی بتدریج تربیت کی گئی۔ مضمون زیر قلم
ہے تو ایک لطیفہ یہ بھی سانح ہوا کہ پوری داستان میں
دو دو کردار مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔ اصحاب کہف اور
دقیانوس۔ موسیٰ علیہ السلام اور خضرؑ ذوالقرنین، یاجوج
ماجوج، ذوالقرنین اور اس کا سفر، حضرت زکریا اور یحییٰ
علیہما السلام، حضرت عیسیٰ اور مریم عذراء۔ بہر حال! قرآن
حکیم نے جس شان اعجاز کے ساتھ ذہنوں کو دھکیل دینے کی
تربیت قائم کی اس کا ایک اور نمونہ قصۂ لقمان ہے، جاننے
والے جانتے ہیں کہ قرآن حکیم میں ایک پوری سورت اس حکیم
ودانا، صاحب فراست و دیانت شخص سے متعلق ہے۔ سورۃ
کی ابتداء ان آیات

ومن الناس من یشتری لھو الحدیث لیضل عن
سبیل اللہ بغیر علم ویتخذھا ھزوًا اولٰئک لھم
عذاب مھین ۔

اور بعض ایسا بھی ہے جو اللہ سے غافل کرنیوالی
باتیں خریدتا ہے تاکہ اللہ کی راہ سے بے سمجھے
بوجھے دوسروں کو گمراہ کرے اور اس راہ کی
ہنسی اڑائے۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے ذلت ہے

"کا شانِ نزول" یعنی اس کے پس منظر کو متعین کرتے ہوئے
مفسرین نے جو روایات درج کی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ
نضر ابن حارث آس پاس کے ملکوں کا سیاح، وہاں سے جاہلی
لٹریچر کی کتابیں درآمد کرتا۔ ایران کے بہادروں کے افسانے
حیرہ کے بادشاہوں کے قصے اہل عرب کو سناتا۔ اور کہتا
جی اس میں لگاؤ" قرآن حکیم کے وعظ میں کیا دھرا ہے ساتھ ہی
حسین چھوکریاں بھی ہوتیں۔ اور مجلس کو زیادہ سے زیادہ
پرکشش بنانے کے لئے شراب و کباب کی بھی پیشکش ہوتی۔ قرآن
کریم نے ٹھیک اسی موقع پر حضرت لقمان کے وعظ اور اپنے
بیٹے کو دلپذیر نصیحت کی ایک موثر اور دل آویز داستان
سنائی۔ اس بے بہا نصیحت میں، توحید، شکر کی تعلیم۔ شرک سے
محفوظ رہنے کی تلقین۔ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک، نماز کا
حکم، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔ کے فرض کی ادائیگی کی
جانب توجہ وغیرہ۔ کچھ سمجھے آپ قرآن حکیم نے نضر کے توڑ پر
لقمان کے مواعظ کا قصہ سنا کر ذہنوں کو اس طرف منتقل کردینا
چاہا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کے کلام کے سوا کوئی اور چیز سننے سنانے
کے قابل ہے تو وہ صالحین کے حالات، انکی نصائح اور ان کے
وہ کلمات حکمت ہیں۔ جن سے انسان میں مکارم اخلاق۔ اصلاح
اور فلاح آخرت کے لئے مفید اور کارآمد جذبہ پیدا ہو۔

اسی طرح سورۂ تحریم میں جیسا کہ معلوم ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے حرم محترم میں کسی بی بی صاحبہ سے کوئی راز کی بات کہدی۔
جسے وہ راز نہ رکھ سکیں بلکہ ایک دوسری بی بی سے بھی اس کا ذکر
کردیا۔ حالانکہ یہ تذکرہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منشا کے خلاف
تھا۔ یہ انکشاف خدا تعالیٰ کی طرف سے کردیا گیا۔ ظاہر ہے کہ یہ
اقدام سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تکدر اور ناگواری طبع
کا موجب تھا اس لئے سورۃ کے اختتام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد
فرمایا کہ۔

اللہ نے بتائی ایک کہاوت منکروں کے واسطے
عورت نوح کی اور عورت لوط کی، گھر میں تھیں
دونوں ایک دو نیک بندوں کے ہمارے، پھر
انہی چوری کی پھر وہ کام نہ آئے، ان کو اللہ کے

ہاتھ سے کچھ اور حکم ہوا کہ جاؤ دوزخ میں، ساتھ
جانیوالوں کے، اور اللہ نے بتائی ایک کہاوت
ایمان والوں کو عورت فرعون کی، جب بولی اے رب بنا
میرے واسطے اپنے پاس ایک گھر بہشت میں اور
بچا نکال مجھکو فرعون سے اور اس کے کام سے،
اور بچا نکال مجھکو ظالم لوگوں سے، اور مریم بیٹی
عمران کی جسنے روکی اپنی شہوت کی جگہ۔ پھر ہم نے
پھونکدی اس میں اپنی طرف کی جان، اور وہ سچ
جانیں اپنے رب کی باتیں، اور اسکی کتابیں اور بجھ بندگی
کرنے والوں میں ''۔

دیکھا آپ نے قرآن حکیم نے کس خوبصورتی اور کمال رعنائی کے ساتھ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس بیبیوں کو تنبیہ کی کہ فلاح آخرت کی تمام تر بنیاد تقوی عمل صالح بندگی اور عبادت ہے۔ نہ کہ کسی پیغمبر کی بی بی اور جلیل القدر رسول کے حرم قدس میں ہونا۔ نوح و لوط علیہما السلام کی بیبیاں العیاذ باللہ، رحمتِ خدا سے محروم رہیں۔ اور فرعون جیسے شدید کافر و منادِ کفر کی بی بی اپنے ایمان و تقوی کی بنا پر سیدھی بہشت میں پہنچیں ......

جیسا کہ عرض کرچکا ہوں کہ یہ آیات میں تنبیہ ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہن اجمعین کے لئے ہے۔ دلیل اسکی خود قرآن حکیم سے واضح ہے۔ خوب غور سے دیکھ لیا جائے کہ فساد عقیدہ اور فساد عمل میں مبتلا یہاں صرف دو عورتوں کا ہی تذکرہ ہے یعنی نوح اور لوط علیہما السلام کی بیبیاں۔ اور صحت عقیدہ و عمل میں بھی ذکر دو پاکباز عورتوں ہی کا آیا یعنی امرأۃِ فرعون اور سیدہ مریم عذرا، حالانکہ قرآن حکیم چاہتا تو اس موقع پر نوح علیہ السلام کے بیٹے۔ اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا بھی ذکر کرسکتا تھا۔ لیکن گم کردہ راہ مردوں کا ذکر چھوڑ کر صرف عورتوں کا تذکرہ میری دانست میں سوائے اس کے اور کوئی وجہ نہیں رکھتا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی تنبیہ و انتباہ کے لئے تھا ذرا سورۃ کے ابتدائی حصہ پر بھی غور کیجئے ارشاد ہے۔

یا ایہا الذین آمنوا قوا انفسکم و اہلیکم نارا وقودہا الناس والحجارۃ علیہا ملٰئکۃ غلاظ شداد لا یعصون اللہ ما امرہم و یفعلون ما یؤمرون۔

اے ایمان والو بچاؤ اپنی جان اور اپنے گھر والوں
کو اس آگ سے جسکی چھپٹیاں ہیں آدمی اور
پتھر، اس پر مقرر ہیں فرشتے۔ تندخو۔ زبردست
بے حکمی نہیں کرتے۔ اللہ کی جو بات انکو فرمائی
اور وہی کرتے ہیں جو حکم ہو ''

تنبیہی کلام میں جہنم پر مامور فرشتوں کے اوصاف کی تفصیل کہ مزاج کے سخت، تندخو۔ اور اپنے خدا کے حکم کی کامل اطاعت کرنے والے ہیں۔ کیا یہ اس خام خیالی کی جڑ کاٹکر نہیں رکھدیتی۔ کہ جہنم پر موجود یہ فرشتے کسی حسبی نسبی سلسلہ کی رعایت نہ کریں گے اور نہ کسی مقبول مکرم اور صاحب تقریب انسان کی بیبیوں کے ساتھ کوئی بیجا رعایت ہوسکے گی۔ غرضیکہ قرآن مجید کے ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی جانب پُراعجاز انتقال کی یہ چند مثالیں قرآن حکیم ہی سے پیش کی گئیں۔ قدیم مفسرین انہیں چیزوں کو ربط و مضامین کے ارتباط سے تعبیر کرتے ہیں لیکن خاکسار نے ربط کے بجائے اسی کو ''انتقال'' سے موسوم کیا ہے۔

یہ راقم الحروف کے اپنے مطالعۂ قرآنی کا تمام تر نتیجہ ہے۔ کسی تفسیر سے ماخوذ و منقول چیز نہیں اگر درست ہے؟ تو خدا تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر؟ کہ ایک جہول و ظلوم کو ''کتاب مبارک'' سے مناسبت عنایت فرمائی۔ اور اگر غلط ہے؟ تو خدا تعالیٰ اس غیر ارادی ذلت کے لئے معاف فرمائیں۔

نالہ کیا ہے؟ عیش و عشرت کی صدائے بازگشت
نغمہ کیا ہے؟ ایک آوازِ شکستِ ساز ہے

حضرت زکی کیفی

احکام حج

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم

جدّہ پہنچنے سے پہلے

آج کل عازمین حج کے قافلے زمین کے مختلف گوشوں سے سرزمین حجاز کی طرف جارہے ہیں، اس موقع پر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے "احکام حج وعمرہ" پر ایک مفصل رسالہ تصنیف فرمایا جو جناب الحاج حافظ فرید الدین صاحب پائنیرآرمز وکٹوریہ روڈ کراچی کے زیر اہتمام کتابی شکل میں شائع ہو رہا ہے، اس وقت اس رسالہ میں سے وہ حصہ پیش خدمت ہے جس میں جدہ پہنچنے سے پہلے پہلے کے احکام درج ہیں، تاکہ یہ حجاج کے لئے جدہ پہنچنے تک مددگار رہو، خاص طور سے اس میں پاکستانیوں کے لئے احرام کی میقات کا مسئلہ غور سے پڑھنے اور یاد رکھنے کے لائق ہے ——— ادارہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۵

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

حج اسلام کا ایک اہم رکن اور فرض ہے

قرآن کریم میں ہے وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا ۵ ومن کفر فان اللہ غنی عن العالمین۔ یعنی لوگوں پر اللہ کا حق ہے بیت اللہ کا حج کرنا جو اس گھر تک آنے کی قدرت رکھتا ہو۔ پھر جو کفر کرے (یعنی باوجود قدرت کے نہ آئے) تو وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے) اللہ تو بے نیاز ہے سب جہان والوں سے۔ اس گھر یعنی خانہ کعبہ تک جانے کی قدرت کا مطلب یہ ہے کہ اس کے پاس اپنی ضروریات روزمرہ سے زائد اتنا سرمایہ ہو جس سے وہ بیت اللہ تک جانے اور زمانۂ قیام کے اپنے مصارف بھی پورے کر سکے، اور جن اہل وعیال کا نفقہ اس کے ذمہ واجب ہے اس کا بھی واپسی تک کے لئے انتظام کر سکے۔ جو شخص باوجود اس قدرت کے حج نہ کرے اس کے لئے قرآن وحدیث میں سخت وعید آئی ہے۔

مسئلہ: جس شخص کے پاس کسی وقت بھی اس قدر سرمایہ جمع ہوگیا جو حج کے لئے کافی ہے اور زمانہ حج یعنی شوال کے شروع ہونے تک اس کی ملک میں رہا پھر اس نے بجائے حج کرنے کے اس کو مکان کی تعمیر یا کسی شادی کی تقریب یا اور کسی کام میں خرچ کر دیا تو حج اس کے ذمہ فرض ہو چکا اس پر لازم ہے کہ پھر کوشش کر کے اتنا سرمایہ جمع کرے جس سے اپنا حج فرض ادا کر سکے (مناسک ملا علی)

حدیث: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کے لئے حج کرے اور اس میں فحش کام و کلام اور فسق وگناہ سے بچتا رہے تو وہ گناہوں سے ایسا پاک صاف ہو کر لوٹتا ہے جیسے آج شکم مادر سے پیدا ہوا ہے (بخاری ومسلم)

حدیث: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حج وعمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں اگر وہ کچھ دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا (ابن ماجہ)

ایک مسلمان کے لئے اس سے بڑی نعمت کیا ہو سکتی ہے کہ عمر بھر کے گناہ معاف ہو جائیں اور جو دعا وہ مانگے قبول ہو جائے جس کے ذریعہ وہ اپنے تمام دینی اور دنیوی مقاصد میں بآسانی کامیاب ہو سکتا ہے۔

نہایت ضروری تنبیہ

لیکن ان تمام فضائل و برکات کے حاصل کرنے کی شرط یہ ہے کہ حج کے فرائض واجبات اور سنن کو پوری احتیاط سے ادا کرے اور جو چیزیں حج کو خراب کرنے والی ہیں ان سے پرہیز کرے ورنہ فرض سے سبکدوشی ہو بھی گئی تو فضائل و برکات سے محروم رہنا یقینی ہے، حج و زیارت کو جانے والے حضرات اس معاملے میں اکثر غفلت کرتے ہیں حج و زیارت کے احکام اور مسائل معلوم کرنے کا اہتمام نہیں کرتے۔ وہاں پہونچکر معلمون کے ناواقف نوکروں کے سپرد ہو جاتے ہیں جو نہ واجبات کی ادائیگی کا اہتمام کرتے ہیں نہ دوران احرام کے گناہوں سے بچنے کی فکر کرتے ہیں۔

سفر حج سے پہلے: چند امور کا پورا اہتمام کریں۔

(۱) اپنی نیت خالص اللہ تعالیٰ اور ثواب آخرت کے لئے کریں، دنیا کی عزت اور نام و نمود یا تجارتی فوائد یا دوسری دنیوی اغراض کو ارادہ حج میں داخل نہ ہونے دیں۔ پھر قدرت سے کچھ دنیوی فوائد بھی حاصل ہو جائیں۔ اس کا مضائقہ نہیں (اور حدیث کے وعدہ کے مطابق دنیوی فوائد بھی ضرور حاصل ہونگے)

(۲) اپنے تمام چھوٹے بڑے گناہوں سے خالص توبہ کرے اور توبہ میں تین کام کرنا ضروری ہیں زمانہ ماضی میں اپنے کئے ہوئے گناہوں پر ندامت و افسوس اور جن چیزوں کی قضاء یا تدارک کیا جا سکتا ہے ان کی قضاء اور تدارک کرنا۔ حال میں فوراً ان تمام گناہوں کو چھوڑ دینا۔ مستقبل میں گناہوں کے پاس نہ جانے کا عزم اور پختہ قصد کرنا، ان تین کاموں کے بغیر محض زبان سے توبہ کا لفظ بولنے سے توبہ نہیں ہوگی۔

زمانہ ماضی میں قابل قضا یہ چیزیں ہیں۔ روزے۔ نمازیں جو بالغ ہونے کے بعد ادا نہیں کئے ان کا حساب لگا کر اور حساب پورا یاد نہ ہو تو اندازہ لگا کر قضاء کرنا اگر گذشتہ زمانہ میں اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کی تو اب حساب یا محتاط اندازہ لگا کر فوت شدہ زکوٰۃ ادا کرنا۔ کوئی قسم کھائی پھر اس کے خلاف کیا تو اس کا کفارہ یا کوئی نذر منت مانی اور پھر ادا نہیں کی تو اس کی قضا کرنا۔ اور

قابل تدارک حقوق العباد ہیں مثلاً کسی کا قرض یا اور کوئی مالی حق آپ کے ذمہ رہ گیا ہے یا کسی کو آپ نے زبان، ہاتھ سے تکلیف پہونچائی ہے یا کسی کی غیبت کی ہے تو اصحاب حق سے معاف کرانا اور مالی حقوق کو ادا کرنا یا وہ معاف کردیں تو معاف کرانا۔ **مسئلہ** جس کا مالی حق آپ کے ذمہ ہے اگر وہ مرگیا ہے تو اس کے وارثوں کو ادا کریں یا ان سے معاف کرائیں اگر اصحاب حق بہت زیادہ ہیں اور ان کے پتے معلوم نہیں تو جس قدر مالی حق ان کا آپ کے ذمہ ہے ان کی طرف سے صدقہ کردیں اور ہاتھ یا زبان سے ان کو ایذا، پہونچائی تھی تو ان کے لئے کثرت سے دعاء مغفرت کرتے رہیں۔ انشاء اللہ حقوق کے وبال سے نجات ہو جائے گی۔

مسئلہ اگر قضا شدہ نماز روزہ اتنی مقدار میں ہے جن کو سفر حج سے پہلے آپ پورا نہیں کر سکتے یا لوگوں کے حقوق اتنے زیادہ آپ کے ذمہ ہیں کہ ان سب سے معاف کرانا یا ادا کرنا اس وقت اختیار میں نہیں ہے تو ایسا کیجئے کہ ان سب فرائض و حقوق کی ادائگی یا معاف کرانے کا پختہ عزم تو اپنے دل میں رکھئے اور جس قدر ادا کیا جا سکے اس کو ادا بھی کر لیجئے۔ اور جو باقی رہیں ان کے لئے ایک وصیت نامہ لکھئے اور اپنے عزیز یا ہمدرد دوست کو وصی بنا دیجئے کہ اگر آپ ادا نہ کر سکیں تو آپ کے بعد وہ ادا کردیں۔

مسئلہ جس شخص کے ذمہ لوگوں کے قرض ہوں اس کیلئے بہتر تو یہ ہے کہ ادائے قرض سے پہلے حج کا ارادہ نہ کرے بلکہ جو کچھ سرمایہ ہے اس کو قرض سے سبکدوشی میں خرچ کرے۔ لیکن اگر ادائے قرض سے پہلے حج کر لیا تو حج ادا ہو جائے گا۔ تجارتی قرضے جو عادۃً ہمیشہ جاری رہتے ہیں وہ اس میں داخل نہیں ایسے قرضوں کی وجہ سے حج کو مؤخر نہیں کیا جائے گا۔

مسئلہ: جس شخص کے ذمہ لوگوں کا قرض ہو اور اس کی کوئی ایسی جائداد وغیرہ بھی نہیں جس سے قرض ادا کیا جا سکے تو اس کو قرضخواہ کی اجازت کے بغیر حج کرنا جائز نہیں۔

(۳) حج کے لئے مال حلال جمع کرنے کا اہتمام کرے۔ حرام مال سے حج کیا جائے تو وہ مقبول نہیں ہوتا اور اس کا ثواب نہیں ملتا اگرچہ فرض ساقط ہو جاتا ہے (ارشاد الساری)

مسئلہ: جس شخص کا مال مشتبہ ہو اس کو چاہئے کہ قرض لیکر اس سے حج کرے پھر قرض اپنے مال سے ادا کرے تاکہ حج کے ثواب اور برکات سے محروم نہ رہے

(۴) ضروریات سفر۔ احرام کا کپڑا ساتھ رکھنا یاد رکھے۔ احرام کے لئے ایک چادر اور ایک تہبند ضروری ہے، سفید لٹھے کا ہونا بہتر ہے، تیز گرمی اور تیز سردی کے ایام میں دو بڑے تولئے کا احرام بہتر ہے جو چادر اور تہبند کا کام دے سکیں۔ اگر اللہ نے وسعت دی ہے تو دو تین احرام رکھ لے کہ ایک میلا ہو جائے تو دوسرا استعمال کر سکے

سفر کے وقت (۱) احباب واقربا سے رخصت ہوتے وقت اپنا قصور معاف کرائے اور ان سے دعا، خیر کی درخواست کرے

(۲) جب گھر سے نکلنے کا ارادہ کرے تو دو رکعت نماز نفل پڑھے جب دروازے کے قریب آئے تو سورۂ انا انزلنا پڑھے۔ جب گھر سے باہر آئے اپنی استطاعت کے موافق کچھ صدقہ کرے اور آیۃ الکرسی پڑھے۔ اس کے بعد یہ دعا پڑھے۔

اللّٰھم انی اعوذ بک ان اَضل او اُضل او ازل او ازل او اظلم او اظلم او اجھل او یجھل علیّ۔ اللّٰھم انت الصاحب فی السفر والخلیفة فی الاھل والمال والولد انی اعوذ بک من الضیقة فی السفر وکابة المنقلب اللھم اقبض لنا الارض وھون علینا السفر

یا اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ خود گمراہ ہوں یا کوئی اور مجھے گمراہ کرے، اس بات سے کہ میں خود لغزش کھاؤں یا کوئی اور مجھے لغزش میں مبتلا کردے، یا میں ظلم کروں یا مجھ پر ظلم کیا جائے یا میں نادانی میں مبتلا ہوں یا مجھ پر نادانی کا مظاہرہ کیا جائے، اے اللہ تو سفر کا ساتھی اور (میرے) اہل وعیال اور مال کا نگراں ہے، میں سفر کی تنگی اور غم وحزن کے ساتھ لوٹنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں، اے اللہ ہمارے لئے زمین کو ... سمیٹ دے اور ہم پر سفر کو آسان کردے۔

اگر دعا کے الفاظ یاد نہ ہوں تو دعاؤں کا مضمون جو ترجمے میں لکھا ہوا ہے اپنی ہی زبان میں اس کی دعا مانگے۔

(۳) جب عزیزوں سے رخصت ہو تو یہ دعا مانگے۔

استودعکم اللہ الذی لا تضیع ودائعہ

میں تمکو اللہ کے سپرد کرتا ہوں جس کے پاس رکھی ہوئی امانتیں ضائع نہیں ہوتیں۔

(۴) جب سواری پر سوار ہو تو بسم اللہ کہکر سوار ہو اور یہ دعا کرے

الحمد للہ الذی سخر لنا ھذا وما کنا لہ مقرنین وانا الی ربنا لمنقلبون

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمارے لئے اس (سواری) کو رام کیا، اور ہم اس کو قابو میں نہ لا سکتے تھے، اور ہم اپنے پروردگار کے پاس لوٹنے والے ہیں۔

دوران سفر میں —— بیہودہ اور ناجائز باتوں سے پرہیز رکھے، جہاں تک ہو سکے ذکر اللہ میں یا ایسی دینی کتابوں کے مطالعہ میں مشغول رہے جن سے عمل کی اصلاح اور آخرت کی فکر پیدا ہو

احکام حج کی ابتداء

جیسے نماز کی ابتداء تکبیر تحریمہ یعنی اللہ اکبر کہنے سے ہوتی ہے اسی طرح حج وعمرہ کی ابتداء احرام سے ہوتی ہے۔ احرام کا بیان آگے آرہا ہے۔

حج وعمرہ —— بیت اللہ کی ساتھ دو عبادتیں متعلق ہیں، ایک حج جس کے افعال صرف ماہ ذی الحجہ کے پانچ دن میں ادا کئے جاتے ہیں دوسرے ایام میں نہیں ہو سکتے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ دوسرے عمرہ جو حج کے پانچ دنوں کے علاوہ سال کے ہر مہینے اور ہر وقت میں ہو سکتا ہے، اور اس کے صرف تین کام ہیں۔ ایک یہ کہ میقات سے اس کے لئے عمرہ کا احرام باندھے، دوسرے مکہ معظمہ پہنچکر بیت اللہ کا طواف کرے۔ تیسرے صفا مروہ کے درمیان سعی کرے اس کے بعد سر کے بال کٹوا کر یا منڈوا کر احرام ختم کردے۔ عمرہ کو حج کی ساتھ جمع کرنے یا نہ کرنے کے اعتبار سے حج کی تین قسمیں ہو جاتی ہیں

حج کی تین قسمیں —— اوّل یہ کہ سفر کے وقت صرف حج کی نیت کرے اسی کا احرام باندھے عمرہ کو حج کے ساتھ جمع نہ کرے

یہ ضروری نہیں کہ اس سفر میں عمرہ بالکل نہ کرے بلکہ شہر حج یعنی شوال شروع ہونے کے بعد حج کے افعال پورا کرنے سے پہلے عمرہ نہ کرے اس قسم کے حج کا نام اِفْراد ہے اور ایسا حج کرنے والے کو مُفْرِدْ کہتے ہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ حج کے ساتھ عمرہ کو بھی اول ہی سے جمع کرے دونوں کی نیت کرے اور احرام بھی دونوں کا ایک ساتھ باندھے اس کا نام قِران ہے اور ایسا حج کرنے والے کو قارن کہتے ہیں۔

تیسری صورت یہ ہے کہ حج کی ساتھ عمرہ کو اس طرح جمع کرے کہ میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھے اس احرام میں حج کو شریک نہ کرے پھر مکہ معظمہ پہنچکر افعال عمرہ سے فارغ ہونے اور بال کٹوانے یا منڈانے کے بعد آٹھویں ذی الحجہ کو مسجد حرام سے حج کا احرام باندھے۔ اس کا نام تَمَتُّعْ ہے اور ایسا حج کرنے والے کو مُتَمَتِّعْ کہتے ہیں۔

حج کرنے والے کو اختیار ہے کہ ان تینوں قسموں میں سے جو چاہے اختیار کرے۔ مگر قِرآن کی صورت افضل ہے۔ ان تینوں قسموں کی نیت اور احرام اور بعض احکام میں فرق ہے اس لئے ان کو اچھی طرح ذہن نشین کرلینا ضروری ہے۔

حج کی مذکورہ تینوں قسموں میں فرق ایک فرق تو ان تینوں قسم کی نیتوں میں ہے ——— پہلی قسم یعنی افراد میں احرام باندھنے کے وقت صرف حج کی نیت کرنا ہے ——— دوسری قسم میں حج وعمرہ دونوں کی ایک ساتھ نیت کرنا ہے ——— تیسری قسم تمتع میں اول احرام کے وقت صرف عمرہ کی نیت کرنا ہے۔

دوسرا بڑا فرق یہ ہے کہ پہلی دونوں قسموں میں تو جو احرام اول باندھا جائے گا وہ افعال حج پورے کرنے تک باقی رہے گا۔ اور تیسری قسم میں مکہ معظمہ پہونچ کر افعال عمرہ یعنی طواف وسعی سے فارغ ہونے کے بعد یہ احرام سر کے بال کٹوانے یا منڈوانے سے ختم ہوجائے گا اور ۸ ذی الحجہ تک یہ بلا احرام کی پابندیوں کے مکہ شریف قیام کرسکے گا پھر آٹھویں ذی الحجہ کو مسجد حرام سے حج کا احرام دوسرا باندھے گا۔

تیسری صورت میں سہولت زیادہ ہے مگر افضلیت قرآن کی زیادہ ہے بشرطیکہ اس طویل احرام کی پابندیوں کو احتیاط کے ساتھ پورا کرسکے ورنہ تمتع کرلینا بہتر ہے۔

حج کے اعمال واحکام اسی طرح عمرہ کے اعمال واحکام اور احرام کے تمام احکام تینوں صورتوں میں یکساں ہیں فرق اتنا ہے کہ دسویں ذی الحجہ کو منیٰ میں قربانی کرنا قارن اور متمتع پر واجب ہے مفرد کے لئے مستحب ہے۔ تینوں قسموں میں جو نیت بتلائی گئی ہے اس کا دل سے کرلینا اور زبان سے اپنے محاورہ میں ادا کردینا کافی ہے۔

مثلاً افراد میں نیت اس طرح کرے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اُرِیْدُ الْحَجَّ فَیَسِّرْہُ لِیْ وَتَقَبَّلْہُ مِنِّیْ

یا اللہ میں حج کا ارادہ کرتا ہوں اسے میرے لئے آسان فرمائے اور قبول فرمائیے۔

اور قِران میں اس طرح نیت کرے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ فَیَسِّرْھُمَا لِیْ وَتَقَبَّلْھُمَا مِنِّیْ

یا اللہ میں حج وعمرہ دونوں کا ارادہ کرتا ہوں یہ دونوں میرے لئے آسان فرما دیجئے اور قبول فرمائیے۔

اور تمتع کی صورت میں اول احرام کے وقت اس طرح نیت کرے

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْعُمْرَۃَ فَیَسِّرْھَا لِیْ وَتَقَبَّلْھَا مِنِّیْ۔

یا اللہ میں عمرہ کا ارادہ کرتا ہوں اس کو میرے لئے آسان فرما دیجئے اور قبول فرمائیے۔

یہاں نیت کے عربی اور اردو دونوں جملے لکھدیئے گئے ہیں کسی کو عربی الفاظ یاد کرنے میں دشواری ہو تو اردو، فارسی، پنجابی، سندھی، بنگلہ، پشتو جو بھی اپنی زبان ہے اس میں یہ مضمون ادا کردینا کافی ہے

احرام باندھنے کا طریقہ جب احرام باندھنے کا ارادہ کرے تو پہلے غسل کرے اور وضو کرلینا بھی کافی ہے اور سنت یہ ہے کہ ناخن ترشوائے۔ لبیں یعنی موچھوں کے بال کٹوا کر پست کرے۔ بغل اور زیر ناف کے بالوں کو صاف کرے سر منڈانے یا مشین سے بال کٹوانے کی عادت ہو تو وہ بھی کرے اگر سر پر پٹھے ہوں تو کنگھے سے ان کو درست کرے۔

احرام کے لئے دو نئی یا دھلی ہوئی چادریں ہونا سنت ہے، ایک کا تہبند بنایا جائے دوسرے کو چادر کی طرح اوڑھا جائے، اگر سیاہ یا کوئی دوسرا رنگ ہو تو بھی جائز ہے۔ سردی کے وقت کمبل سے بھی یہ کام لیا جا سکتا ہے اور روئیں دار تولئے سے بھی۔ تہبند کا ٹخنوں سے اوپر رہنا ضروری ہے۔

احرام کی چادر اور تہبند پہننے کے بعد سنت یہ ہے کہ دو رکعت نفل پڑھے بشرطیکہ وقت مکروہ یعنی آفتاب طلوع یا غروب ہونے یا نصف النہار میں ہونے کا وقت نہ ہو اور بعد فجر طلوع آفتاب سے پہلے اور بعد عصر غروب آفتاب سے پہلے ور بھی نفل مکروہ ہے۔ یہ وقت نہ ہو، پہلی رکعت میں الحمد کے بعد قل یا ایھا الکافرون۔ دوسری میں قل ھو اللہ پڑھنا اولیٰ ہے۔ دوسری کوئی سورت پڑھ لے یہ بھی جائز ہے

اس نماز کے وقت جو چادر اوڑھی ہوئی ہے اسی سے سر بھی چھپالے کیونکہ ابھی احرام شروع نہیں ہوا جس میں سر کھلا رکھنا ضروری ہوتا ہے۔

دو رکعت نفل کے بعد حج کی مذکورہ تین قسموں میں سے جس قسم کے حج کا ارادہ ہے اس کے مطابق نیت دل میں بھی کرے زبان سے بھی وہ الفاظ کہے جو تینوں قسموں کے لئے پہلے لکھے گئے ہیں، اس کے بعد تلبیہ کے کلمات کہے اور تلبیہ کے مسنون الفاظ یہ ہیں ان کو اچھی طرح پہلے سے یاد کر لیا جائے ان میں سے کوئی لفظ کم کرنا مکروہ ہے۔

لبیک اللھم لبیک لبیک لا شریک
لک لبیک ان الحمد والنعمۃ لک و
الملک لا شریک لک۔

صرف نیت کرنے سے احرام شروع نہیں ہوتا بلکہ الفاظ تلبیہ پڑھنے سے شروع ہوتا ہے۔ الفاظ تلبیہ پڑھنے سے احرام شروع ہو جاتا ہے اس لئے تلبیہ پڑھنے سے پہلے سر کو چادر سے کھول دیا جائے اور پھر دوران سفر میں ...... تلبیہ کے مذکورہ الفاظ کثرت سے بلند آواز کے ساتھ پڑھا کرے خصوصاً صبح شام اور اوقات... یا مکانات کی تبدیلی سوار ہونے۔ اترنے کے وقت تلبیہ با آواز بلند پڑھا کرے مگر عورتیں بلند آواز سے نہ کہیں آہستہ کہیں، مسجد میں اتنی بلند آواز سے نہ کہے جس سے نمازیوں کو تشویش ہو۔ اور جب بھی تلبیہ کہے تو تین بار کہنا چاہئے۔ بہتر ہے کہ تین مرتبہ تلبیہ با آواز بلند کہنے کے بعد آہستہ آواز سے درود شریف پڑھے اور پھر اپنے مقاصد کی دعا مانگے۔ اور تلبیہ کے بعد مسنون دعا یہ ہے۔

اللھم انی اسألک رضاک والجنۃ
واعوذ بک من غضبک والنار۔

احرام کی پابندیاں

احرام کی حالت میں مندرجہ ذیل چیزیں ناجائز ہیں۔

(۱) مردوں کو بدن کی ہیئت پر سلا ہوا کپڑا پہننا جیسے کرتہ پاجامہ اچکن کوٹ وغیرہ۔ احرام کی چادر میں اگر پیوند لگا ہو یا لنگی درمیان سے سلی ہو اس کا مضائقہ نہیں روپیہ پیسہ رکھنے کے لئے سلی ہوئی ہمیانی یا پیٹی اس سے مستثنیٰ ہے

(۲) مرد کے لئے سر اور چہرہ ڈھانکنا۔

(۳) کپڑوں یا بدن کو کسی قسم کی خوشبو لگانا خوشبودار صابون استعمال کرنا ایسی چیز کھانا جس میں خوشبو ہو۔ جیسے خوشبو کا تمباکو خوشبودار پھل وغیرہ خوشبو اور خوشبودار پھل پھول کا سونگھنا بھی بالقصد مکروہ ہے بلا ارادہ خوشبو ناک میں آجائے تو مضائقہ نہیں۔

(۴) بدن کے بال کسی جگہ سے کاٹنا۔

(۵) ناخن کاٹنا

(۶) بحالت احرام بی بی کے ساتھ بوس و کنار اور جماع سب ناجائز ہیں۔

(۷) عورتوں کے سامنے جماع کا ذکر کرنا بھی ناجائز ہے

(۸) لڑائی جھگڑا کرنا۔

(۹) شکار مارنا یا شکاری کی مدد کرنا۔

عورتوں کا احرام ــــــ عورتوں کا احرام بھی مردوں کی طرح ہے۔ فرق یہ ہے کہ عورت کو سلے ہوئے کپڑے پہنے رہنا چاہیئے، سر کو بھی چھپانا چاہیئے، صرف چہرہ کھلا رہنا چاہیئے۔ مگر اجنبی مردوں کے سامنے برقعہ کا نقاب اس طرح ڈال لے کہ وہ چہرہ کو نہ لگے۔ عورت کے لئے موزے، دستانے پہننا جائز ہے زیور بھی پہن سکتی ہے۔ حالت حیض و نفاس میں بھی احرام باندھ سکتی ہے۔ احرام کے لئے دوگانہ احرام نہ پڑھے۔

مذکورہ بالا تمام چیزوں کی پابندی احرام میں لازم ہے اس کے خلاف کرنا گناہ ہے اور اس کے کفارہ کے لئے اکثر صورتوں میں دم یعنی قربانی واجب ہوتی ہے۔ جس کی تفصیل ضرورت کے وقت علماء سے دریافت کی جاسکتی ہے، اس مختصر رسالہ میں اس کی گنجائش نہیں۔

مذکورہ بالا امور میں سے کسی کی خلاف ورزی گناہ تو ہے ہی اس سے انسان کا حج ناقص ہو جاتا ہے گو فرض ادا ہو جاتا ہے اور ایک صورت ایسی ہے کہ اس سے حج ہی فاسد ہو جاتا ہے۔ دوسرے سال حج کرنا لازم ہوتا ہے وہ وقوف عرفات سے پہلے جماع کر لینا ہے جماع کے علاوہ بوس و کنار وغیرہ گناہ ہے اور ان کے کرنے سے حج فاسد نہیں ہوتا۔

احرام کہاں اور کس وقت باندھا جائے

اس کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ حق تعالےٰ نے مکہ مکرمہ کے گرد چاروں طرف کچھ مقامات متعین فرمادیئے ہیں جہاں پہنچکر مکہ مکرمہ جانے والوں پر احرام باندھنا واجب ہے خواہ حج کا احرام باندھیں یا عمرہ کا۔ ان مقامات کو میقات کہتے ہیں اور جمع مواقیت آتی ہے، مواقیت کا تعین احادیث صحیحہ میں منقول ہے۔ اور یہ پابندی میقات سے باہر رہنے والوں پر عام ہے جب بھی وہ مکہ مکرمہ کے قصد سے حدود میقات میں داخل ہوں خواہ وہ کسی تجارتی غرض سے جارہے ہوں۔ یا عزیزوں دوستوں سے ملاقات کے لئے مگر بیت اللہ کا یہ حق ان کے ذمہ ہے کہ میقات سے احرام باندھ کر داخل ہوں اگر حج کا وقت ہے تو حج کا ورنہ عمرہ کا احرام باندھیں اور بیت اللہ کا یہ حق ادا کریں پھر اپنے کام میں مشغول ہوں البتہ ہاں اگر جدہ کا سفر بہ نیت مکہ مکرمہ نہ ہو بلکہ بقصد جدہ یا بقصد مدینہ ہو تو میقات سے احرام باندھنا ضروری نہیں۔

مواقیت پانچ ہیں

ذوالحلیفہ: مدینہ طیبہ کی طرف سے آنے والوں کے لئے جو مدینہ طیبہ سے تقریباً چھ میل پر مکہ مکرمہ کے راستہ میں ہے، یہاں ایک مسجد بنی ہوئی ہے آجکل یہ مقام بیر علی کے نام سے مشہور ہے۔

جحفہ: ملک شام کی طرف سے آنے والوں کے لئے مدینہ طیبہ کے راستہ کی مشہور منزل رابغ کے قریب ہے۔

قرن المنازل: نجد کی طرف سے آنے والوں کیلئے

یلملم: یمن کی طرف سے آنے والوں کے لئے۔ یہ ایک پہاڑی ساحل سمندر سے پندرہ بیس میل کے فاصلہ پر ہے پہلے زمانہ میں جب جدہ کی بندرگاہ نہ تھی یمن سے آنے والے حضرات اسی راستہ سے مکہ مکرمہ جاتے تھے، ہندوستان پاکستان اور دوسرے مشرقی ممالک کے لوگوں کا بھی یہی راستہ تھا، اسی لئے اہل ہند و پاک کے لئے یہی میقات مشہور ہے

ذات عرق: عراق کی طرف سے آنے والوں کیلئے۔

جن لوگوں کا راستہ خاص ان مقامات پر سے نہ ہو تو دخول مکہ مکرمہ کے لئے جس جگہ پر بھی ان میں سے کسی میقات کی محاذات آئے گی اس محاذات کے اندر داخل ہونے سے پہلے احرام باندھنا واجب ہے یہ مواقیت ان لوگوں کے لئے ہیں جو حدود میقات سے باہر ساری دنیا میں کہیں رہتے ہوں اصطلاح میں مواقیت سے باہر کی ساری دنیا کو آفاق کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور ان لوگوں کو آفاقی کہا جاتا ہے

حدود میقات کے اندر رہنے والے

یہاں یہ بات جان لینا مناسب ہے کہ ساری دنیا میں اشرف و اعلیٰ مقام بیت اللہ یعنی

خانہ کعبہ ہے، حق تعالیٰ نے اس کے احترام کے لئے اس کے گرد تین دائرے بنائے ہیں۔ ہر دائرہ کے کچھ احکام مخصوص ہیں

پہلا دائرہ مسجد حرام کا ہے جس کے درمیان بیت اللہ واقع ہے، بیت اللہ کے بعد سب سے زیادہ اشرف و اعلیٰ مقام وہ ہے جو اس دائرہ سے محدود ہے جس کو مسجد حرام کہا جاتا ہے اس کے ساتھ بہت سے احکام مخصوص ہیں مگر ان کا خصوصی تعلق احرام سے نہیں اس لئے ان کی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں۔

دوسرا دائرہ حدود حرم کا ہے۔ مکہ مکرمہ کے چاروں طرف حرم مکہ کی کچھ حدود مقرر ہیں جہاں علامات حرم لگی ہوئی ہیں۔ یہ حدود حرم کا فاصلہ مکہ مکرمہ سے کسی طرف تین میل کسی طرف نو میل تک ہے۔ ان حدود کے اندر بغیر احرام کے بھی شکار مارنا درخت یا گھاس کاٹنا ممنوع ہے۔

جو لوگ اس دائرہ کے اندر رہنے والے ہیں وہ اہل حرم کہلاتے ہیں۔

تیسرا دائرہ مواقیت کا ہے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ دوسرے دائرہ یعنی حدود حرم کے اندر رہنے والوں کو اہل حرم کہا جاتا ہے۔ اور حدود حرم سے باہر مگر دائرہ میقات کے اندر رہنے والوں کو اہل حِل کہا جاتا ہے، اور حدود مواقیت سے باہر رہنے والوں کو اہل آفاق کہا جاتا ہے۔

احرام کے معاملہ میں اہل آفاق کا حکم تو پہلے بیان ہو چکا ہے جب بھی وہ مکہ مکرمہ کے قصد سے حدود میقات یا ان کی محاذات سے مکہ کی طرف بڑھیں اس سے پہلے ان پر احرام باندھنا واجب ہے

دوسرے دائرہ یعنی حدود میقات کے اندر مگر حدود حرم سے باہر رہنے والے جن کو اہل حِل کہتے ہیں ان کے لئے احرام باندھنا حدود حرم میں داخل ہونے کے وقت ضروری ہے اور آفاقیوں کی طرح ان پر بھی یہ پابندی ہو کہ جب بھی کسی ضرورت کسی مقصد سے مکہ مکرمہ جانا ہو تو حدود حرم میں بغیر احرام کے داخل نہیں ہو سکتے۔ پہلے دائرہ یعنی حدود حرم کے اندر رہنے والوں پر احرام کی پابندی نہیں، وہ جب عمرہ کرنا چاہیں تو حدود حرم سے باہر جا کر احرام باندھ لیں اور جب حج کرنا چاہیں تو حرم ہی سے احرام باندھ لیں۔

پاکستان اور ہندوستان والے کہاں سے احرام باندھیں

پہلے ایک بات یاد رکھیں کہ آفاقی لوگوں کے لئے میقات یا اس کی محاذات پر احرام باندھنا واجب ہے، بغیر احرام کے میقات یا محاذات میقات سے مکہ کی طرف بڑھنا جائز نہیں لیکن کوئی اس مقام سے پہلے ہی احرام باندھ لے تو یہ باتفاق جائز ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جب سے ہوائی جہاز کا سفر ہونے لگا اس وقت سے پاکستان ہندوستان والوں کے لئے دو راستے ہو گئے، کیونکہ سمندری جہاز تو دریا کے اندر کنارے کنارے گذرتا ہے سفر کے راستہ میں کوئی میقات نہیں آتا عدن سے آگے چلکر یلملم کی محاذات آتی ہے اس لئے یلملم سے احرام باندھا جاتا ہے۔

مگر ہوائی جہاز کا راستہ ایسا ہے اس میں جہاز جدہ پہونچنے سے پہلے کئی میقاتوں کی محاذات سے گزر کر جدہ پہنچتا ہے۔ عراق کے میقات ذات عرق کی بھی محاذات راستہ میں آتی ہے، نجد کے میقات قرن المنازل کے تو تقریباً اوپر سے گذرتا ہے، اور ہوائی مسافروں کو یہ پتہ چلنے کی کوئی صورت نہیں ہے کہ جہاز کس وقت حدود میقات کے اندر داخل ہو گا۔ اس لئے ہوائی سفر کرنے والوں کو چاہئے کہ اپنے گھر سے احرام باندھ کر جہاز میں سوار ہوں یا جہاز میں سوار ہو کر احرام باندھ لیں۔

جدہ سے احرام کا مسئلہ

ہوائی سفر میں تو بقصد مکہ مکرمہ سفر کرنے والوں کو جدہ پہنچکر احرام باندھنا کسی طرح جائز نہیں کیونکہ جہاز جدہ پہونچنے سے پہلے حدود میقات میں داخل ہو کر جدہ پہنچتا ہے۔

دریائی سفر میں یلملم کی محاذات پر جہاز پہنچنے کے وقت عام طور سے احرام باندھا جاتا ہے اور یہ بہتر ہے، لیکن چونکہ اب راستہ مکہ مکرمہ کا یلملم کی طرف سے نہیں ہوا اور مسافر کو محاذات یلملم کے اندر داخل ہوئے بغیر باہر باہر جدہ پہونچتے ہیں اس لئے اگر وہ جدہ پہنچکر احرام باندھ لے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔

ادیب الملک جناب خواجہ محمد شفیع دہلوی

تیسری قسط

سخن راست

لا الٰہ اور اللہ پر ایمان رکھنے والے کلمہ کے شریک
بھائیو گذشتہ محفل میں ہم آپ سے لا الٰہ پر گرم گفتار تھے اور یہ
عرض کررہے تھے کہ اللہ کا مقام ہماری خواہشات لے لیتی ہیں
اور دین متین ان تمام وکمال خواہشات کو رد کرنے کا حکم دیتا ہے
جو ہمارے اور معبود حقیقی کے احکامات کے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ درمیان
حائل ہو جائیں، نیز جب ہم لا الٰہ کہتے ہیں تو یہ اعلان کرتے ہیں
اور مستحکم ارادہ کہ ہم اپنی خواہشات سے مغلوب ہو کر کوئی ایسا فعل
وعمل نہیں کریں گے جو حکم خدا ورسول کے منافی ہو بلکہ اپنی ہر خواہش
وتمنا کو تعمیل ارشاد باری تعالیٰ میں قربان کردیں گے اور اس کے
پیارے رسول کے ارشاد پر نثار ـــــ سو یہ ہوا لا الٰہ

ہم پہلے آپ سے عرض کرچکے ہیں کہ اغیار نے آپ کے
اطوار اپنائے آپ کے احوال اپنائے ۔ طور طریقوں کی پیروی کی
اور اخلاق کی تقلید لیکن آپ کے کلمہ طیبہ کو سینہ سے نہ لگایا دلوں
میں جگہ نہ دی آپ کے عقائد اختیار نہ کئے اس وجہ سے آپ کا
بھونڈا خاکہ اور چربہ بن سکے آپ نہ بن سکے نہ کبھی بن سکیں گے ۔

اس منزل پر یہ امر اور ذہن نشین کر لیجئے کہ عقیدہ عجیب
غیر محسوس انداز میں آپ کے کردار کی تخلیق وتعمیر پر نہ صرف اثر
انداز ہوتا ہے بلکہ اسے ایک مخصوص سانچہ میں ڈھالتا ہے ۔
آپ کو پتہ بھی نہیں چلتا اور آپ کا کردار ایک خاص نہج پر مرتب
ہوتا چلا جاتا ہے ـــــ عقیدہ تو بڑی چیز ہے اگر
آپ کو محض برے الفاظ سے ہمہ وقت پکارا جائے تو آپ کا ذہن
پست ہو جائے گا اور یہ اس حالت میں ہوگا جبکہ آپ کی طبیعت
اور فطرت اس کے خلاف احتجاج کرتی ہوگی اور قبول کرنے سے
گریز ـــــ ایک عام اصول ہے اور بڑے کہتے آئے
ہیں کہ بچوں کو زیادہ برا مت کہو۔ اگر ان سے کوئی غلطی ہو بھی جائ
تو نرمی سے سمجھاؤ اور کہو کہ تم سے یہ حرکت بعید تھی اتفاقیہ ہوگ
آئندہ احتیاط کرنا یہ طریقہ اسی وجہ سے اختیار کیا جاتا ہے ک
برا سنتے سنتے بچہ برا ہو نہ جائے ـــــ معمولی الفاظ
جب مسلسل کان میں پڑتے رہیں تو ان کا اثر کردار پر ہوتا ہ
تو خیال کیجئے کہ وہ الفاظ یا وہ کلمہ جس کو عقیدہ کا تقدس حاص
ہو وہ کس درجہ اثر کرتا ہوگا اور اس سے ذہن آدم کس درج
متاثر ہوگا۔

مسلمان بچے کی گھٹی میں کلمہ طیبہ اور کلمۂ شہادت پڑتا ہ
ـــــ پیدا ہوتے ہی اس کے کان میں اذان د
جاتی ہے ـــــ کئی مرتبہ خاندان کے نوزائیدہ بچو
کے کان میں اذان دینے کا شرف اس عاصی کو نصیب ہو
یقین جانئے میں نے اپنی آنکھوں سے بچے کی آنکھوں میں ایک
خاص ملکوتی چمک آتی دیکھی ـــــ اگر کوئی کم عقید
اس کو تسلیم نہ کرے اور میرا واہمہ قرار دے تو بھی میں یہ کہوں گ
کہ یہ عقیدہ کی کتنی بڑی قوت ہے جس نے میری نظروں پر اس
درجہ اتنا تسلط جمایا کہ جو چیز نہ تھی وہ میں نے محسوس کی بہر نو
دبہر کیف عقیدہ کی قوت اور زندگی میں اس کی کارفرمائی ت
ثابت ہوگئی، یہی وجہ ہے کہ عقلائے عالم نے عقیدہ کی طاق
کو سب سے بڑی طاقت قرار دیا ہے ـــــ صحیح عقی
کی اشد اہمیت بھی اسی سبب سے ہے کہ یہ ابن آدم کے ذہ
کی گہرائیوں میں جڑ پکڑ کر کردار کی صورت میں برگ وبار لا

سو بندہ نواز یہ امر تو ثابت ہے کہ مسلمان کے کردار میں لا اللہ کو کلمہ طیبہ کو اور کلمہ شہادت کو بدرجہ اتم دخل حاصل ہے اندریں صورت ایک مومن کا کردار بین طور پر اس سانچہ میں ڈھلتا ہے اور یہ سانچہ دوسرے سانچوں سے قطعی طور پر میز ہے جیسا قالب ہوگا چیز اس میں سے ویسی ہی شکل اختیار کر کے نکلے گی ——— بہر نوع و بہر کیف صرف آپ کی عادات آپ کے اخلاق آپکے اطوار اور آپ کے اصول اپنانے سے مسلم کردار حاصل نہیں کیا جا سکتا، اگر مسلم کردار کی تمنا ہو تو مسلم عقیدہ کو اپنانا لازمی ہے اس کے بغیر نقل ہو گی اصل نہیں ——— عمرؓ کو جس نے عمر فاروق بنایا وہ اسلام تھا اور طارق سے جس نے کشتیاں جلوادیں اور یہ کہلوایا کہ "ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست" وہ اسلام تھا ——— جس نے خونخوار مغلوں میں تیمور اور بابر پیدا کئے وہ اسلام تھا ورنہ اس نسل میں ہلاکو اور چنگیز پیدا ہوتے تھے اور آتش بیزاں لقب پاتے تھے ——— تیغ بے دریغ یہ پہلے بھی تھے اسلام کے بجاؤ نے انہیں فارق حق و باطل بنا دیا۔

اس منزل پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم کلمہ طیبہ کے اس پہلو پر روشنی ڈالیں جو کردار میں ایک خاص بانکپن پیدا کر دیتا ہے ——— عزیزان من لا الٰہ الا اللہ۔ کمل ترین۔ منزہ ترین توحید کا حامل ہے ——— ادیان عالم میں توحید ہے، تشریک ہے اور توحید نما تشریک ——— اسلام سے قبل مشرک کھلے ڈلے۔ بانگ دھل اپنے کو مشرک کہتے اور تسلیم کرتے تھے۔ نہ اس میں کوئی شرمساری محسوس کرتے نہ حجاب۔ شرک کرتے اور علی الاعلان کرتے تھے۔ مشرک تھے اور اپنے کو مشرک کہتے تھے ——— یہ کلمہ طیبہ کا معجزہ ہے کہ اسلام کے آنے کے بعد مشرک رہے تو مشرک لیے اپنے شرک سے شرمسار ہونے لگے۔ خود کو مشرک تسلیم کرتے ہوئے لجانے لگے۔ اس پر پردہ ڈالنے لگے اور تاویلیں تلاش کرنی شروع کردیں۔ مثلاً ہندوستان میں شرک تھا اور بین ترین شرک۔ لاکھوں دیوی، دیوتاؤں کی پوجا کی جاتی اور پرستار خود کو ان سب کا پجاری مانتے تھے ——— اب اسلام کی روشنی آئی مصفٰی اور منزہ وحدت کے مقابلہ میں شرک کی غلاظت ظاہر ہونے لگی، ذہن اسے حماقت اور انسانی تذلیل محسوس کرنے لگا تو یہ تاویل گھڑی کہ ہم اصل میں صرف ایک کی پوجا کرتے ہیں اور وہ ہے بھگوان۔ باقی دیگر دیوی دیوتا اس کی شکتیاں یعنی طاقتیں ہیں اور چونکہ وہ بھگوان ہی کی صفات ہیں بنا بریں ان کی پرستش بھی بھگوان ہی کی پرستاری ہے شرمندگی مٹانے کو یہ محض بہانہ تراشا گیا ہے حقیقتاً وہ مشرک تھے اور مشرک ہیں ——— دیومالا کا مطالعہ کر لیجیے صاف ثابت ہو جائے گا کہ سب دیوی دیوتا الگ الگ ہیں اور اکثر اوقات متصادم اور ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما پائے جاتے ہیں۔ اگر یہ سب وجود واحد کی صفات ہیں تو ان میں جنگ و جدال کے کیا معنی کلام اللہ میں رب قدیر وحدت کی یہی دلیل دیتا ہے کہ اگر کئی خدا ہوتے تو ان میں جدال و قتال ہوتا۔ نظام عالم درہم و برہم ہو جاتا ——— بہر کیف ہماری عرض صرف اتنی تھی کہ اسلام نے جب وحدت کا پرچم لہرایا اور وحدہ لا شریک کا اعلان عام کیا تو اس کے بعد مشرک خود کو مشرک کہنے سے شرمندگی محسوس کرنے لگے اور تاویلیں گھڑنی شروع کیں ——— یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ پھر مشرک کیوں رہے۔ عزیزو عقیدہ کی جڑیں شدید گہری ہوتی ہیں یہی وجہ ہے کہ اشد ترین ضرورت صحیح عقیدہ کی ہے اسی سبب سے حضور سرور دو عالم کا بیشتر مکی دور عقیدہ کی تبلیغ اور استواری میں گذرا۔ جب یہ درست خطوں پر آجائے تو پھر آگے تمام اعمال و افعال، اموز و نواہی کو اس پر قائم کیا جا سکتا ہے۔ عقیدہ سنگ بنیاد ہے اگر یہ استوار نہیں تو ساری عمارت غیر استوار رہے گی۔

ہم نے لوگوں کو اس امر پر گفتگو کرتے سنا ہے کہ عقیدہ

اہم ہے یا عمل؛ اگر زندگی نے وفا کی تو انشاء اللہ کسی وقت اس موضوع پر بھی آپ سے باتیں ہوں گی، اس وقت اتنا عرض کرنا لازمی سمجھتا ہوں کہ موجودہ دور میں عقیدہ کو مضبوط کرنے کی اشد ترین ضرورت ہے اگر یہ مضبوط اور قوی ہو جائے تو یہ کج بحثیاں ہی نہ رہیں۔ ہمارے اسلاف جن کا عقیدہ قوی تھا ان کے ذہن ان موضوعات کی جانب کبھی رجوع ہی نہ ہوئے۔ اس دور میں عقیدہ کی کمی اور اضمحلال ہے جس کی وجہ سے یہ وساوس پیدا ہوتے ہیں۔

ہاں تو بندہ نواز! اسلام نے وحدت خداوندی کا ایسا ارفع و اعلیٰ تصور پیش کیا ہے جو ہم کو کسی اور دین اور مذہب میں ڈھونڈھے سے نہیں ملتا اور اس تخیل کے برسر کار آنے کے بعد مشرک شرک سے شرمسار ہونے لگے اور پینترے بدلنے پر مجبور ہو گئے۔ ——— ابن آدم اشرف المخلوقات ہے اگر اس کو کسی کی بندگی زیب دیتی ہے تو صرف رب قدیر کی جو قادر مطلق ہے ارفع و اعلیٰ ترین ہے۔ خالق جزو کل ہر فی الخلق والامر وحدہٗ لاشریک ہے۔ منزہ بالذات والصفات ہے۔ حی القیوم ہے وہ کل کو احاطہ کئے ہے۔ اور اس کا احاطہ کرنا امکان سے باہر ——— اسلام نے بنی نوع انسان کو اس ذات واحد کی عبدیت سے نوازا جس کی کوئی مثال ہے نہ جس کا کوئی شریک وہ یکتا و بے ہمتا ہے۔ عرش و کرسی کا مالک ہے۔ ایسے رب کے آگے جھکنے میں بھی مزا ہے سجدہ ریزی میں بھی عزت۔ فضلی صاحب محترم نے لاجواب شعر کہا ہے، رشک آتا ہے کاش میں کہہ سکتا، فرماتے ہیں ؎

کسی کا آستاں اونچا ہے اتنا
کہ سر جھک کر بھی اونچا ہی رہے گا

غرض کہ یہ ہے وہ دولت جو کلمۂ طیبہ نے آپ کو عطا کی۔ ایک جانب تمام وہ الٰہ رد کر دیئے جو خواہشات نے تراشوائے تھے دوسری طرف وحدہٗ لاشریک رب جلیل عطا فرمایا۔ یہ خصوصیت کسی اور دین میں اس آب و تاب اور اس درجہ شدت سے آپ کو نہیں ملتی ——— کہیں ہزاروں شریک کاروبار دو جہاں ہیں اور ایک دوسرے سے دست و گریباں۔ غضب خدا کا ایسے دیوی دیوتا نظام عالم کس طرح استوار چلا سکتے ہیں جو خود ایک دوسرے کی بوٹیاں نوچ رہے ہوں غور کیجئے اور انصاف تعصب اور عصبیت سے کام نہ لیجئے خود کو محض انسان کا مقام دیجئے اور پھر اس مقام سے سوچئے کہ ایسے خداؤں کی پرستش کرنے کو آپ کسی عنوان پر تیار ہو سکتے ہیں ——— بندہ نواز جنگ و جدال عناد و فساد کی بنیاد نا انصافی پر ہے جب بھی دو آپس میں جھگڑیں گے تو ان میں سے ایک ضرور نا انصافی پر ہو گا۔ پس وہ خداوندہ جو خود آپس میں نا انصافی کے اہل ہوں اور وہ بھی اس حد تک کہ تیر و کمان، بان و چکر در دست میدان کارزار میں اتر آئیں وہ ہمارے آپ کے ساتھ کیا خاک انصاف کر سکیں گے۔ نظام عالم انصاف پر قائم ہے جب انصاف نہ ہو گا نظام تہ و بالا ہو جائے گا ——— اپنے روزمرہ کے دنیوی معاملات میں بھی آپ ایسی عدالت سے مقدمہ منتقل کرا لیتے ہیں جو عدالت صاحب عدل و انصاف نہ ہو تو پھر ہم سارے عالم کا نظام کس طرح ان کے حوالہ کر سکتے ہیں جو خود سر میدان انصاف کو ذبح کر رہے ہوں ——— بہت ہی کج بحثی پر اترا جائے اور بات کی پچ کی جائے تو زیادہ سے زیادہ یہ عذر تراشا جا سکتا ہے کہ غلط بھی ہو سکتی ہے اور ہر دو فریق غلط فہمی کے تحت خود کو حق پر سمجھ رہے ہوں ——— عزیزان من ہم تو دیانت داری سے عرض کریں گے کہ ایسے غلط فہموں کو ہم تو کسی عنوان معبود تسلیم نہیں کر سکتے جو کر سکتے ہوں اور کرتے ہوں ان کو یہ کج فہم خطا کار کم خرد معبود مبارک رہیں۔

سو بندہ نواز ایک طرف تو ہم کو ایسے دیوی دیوتا ملتے ہیں دوسری جانب معبود کو صاحب اولاد بنایا جاتا

اور بیٹے کو شریک خدائی ٹھیرایا جاتا ہے ساتھ کے ساتھ اس شریک خدائی کے منہ پر انسان ضعیف البنیان اسی کا بندہ طمانچہ مارتا ہے تھوکتا ہے اور تذلیل کرتا ہے۔

کلمۂ طیبہ نے جو خدا اہل ایمان کو عطا کیا اس کی شان سورۂ اخلاص میں دیکھئے اور اس ہستی کے مقابلہ میں اس بزرگی عظمت اور جبروت کا اندازہ کیجئے۔ ع ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا ——— سو میرے کلمہ کے شریک بھائیو تم میں اور اغیار میں لا الٰہ الا اللہ کا امتیاز سدا سے ہے اور ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور یہ بہت عظیم فرق ہے۔ یہ دولت حضور سرور دو عالم کی بدولت تمہارے پاس ہے اب تم اس سے کتنا . . . فائدہ اٹھاتے ہو یہ کام تمہارا اپنا ہے۔ بہر کیف اس میں شبہ نہیں کہ یہ دولت ہے اور بے گراں دولت ہے۔ تمہارے اسلاف نے اس سے پورا پورا استفادہ کیا دنیا میں سرخ رو ہوئے اور دنیا سے سرخ رو گئے۔

ان لا الٰہ پر ایمان رکھنے والوں کا ذکر کرتے ہوئے "گبن" مغرب کا مشہور ترین مصنف اپنے تعصب اور عصبیت کے وجود لکھنے پر مجبور ہو گیا کہ اچانک صحرائے عرب گلاب کے پھولوں کا ایسا لہلہاتا باغ بن گیا جس کا ہر ہر پھول گل سر سبد تھا ——— سو میرے عزیزو جب تک کلمۂ طیبہ پر تمہارا ایمان واثق رہا، اور اس کے رسول کے احکامات پر تم قائم رہے۔ اللہ کی رسی کو تم نے مضبوطی سے پکڑے رکھا اغیار کو بھی تمہاری توصیف و ثنا کرنی پڑی امتدادِ زمانہ اور حالات کے تحت نیز مختلف العقائد اور متلون الروایات سے خلا ملا کی وجہ سے تم میں تبدیلی آتی گئی، عقائد کی قوت کم و کم تر ہوتی گئی، اللہ کی رسی کو تم نے چھوڑنا شروع کر دیا۔ دنیا نے نہ صرف وہ رسی توڑ ڈالی بلکہ تمہارے گلے میں پھانسی کا پھندا ڈال دیا جس سے تمہاری روحوں کے دم گھٹ گئے، تمہاری چشم حق نگر کے آگے دھند آ گیا تمہارے قلب مضمحل ہو گئے۔ تاہم جب تک کلمہ طیبہ تمہارے پاس ہے اور اس کے لئے تمہاری زبانوں پر جگہ ہے

تمہارے اسلاف کے تو دلوں میں تھی تاہم تمہاری زبانوں پر بھی جگہ غنیمت ہے کبھی تو دل میں بھی جگہ پا ہی جائے گا، اس وقت تک۔ ع نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشتِ ویراں سے تم یہ رسیاں انشاء اللہ توڑ الو گے۔ اس دم گھٹنے والی فضا سے گلو خلاصی پا لو گے، تمہاری روحوں کو پر پرواز مل جائیں گے اور تمہارے قلوب کو وسعت۔

ہمارے دیکھتے دیکھتے اہل دین بہت سی زنجیریں اپنے جسموں پر سے اتار کر پھینک چکے ہیں انشاء اللہ ذہنوں پر سے بھی اتار پھینکیں گے ہماری جوانی میں ہر مسلم ملک کسی نہ کسی صورت میں اغیار کے زیر تسلط تھا، آج ہم بوڑھے ہیں اور اللہ کا شکر ہے ان سب کو خود مختار اور آزاد دیکھ رہے ہیں ——— نسخہ تو تمہارے پاس ہے تم نے اس کا استعمال ترک کر دیا۔ اقوام عالم نے اس نسخہ کے غیر اہم اجزا استعمال کئے لیکن اصل جزو کو داخل مرکب نہ کیا، خاطر خواہ اثر سے مستفید نہ ہو سکے۔ یوں سمجھئے کہ دوا ء المسک بغیر مشک اور خمیرہ مروارید بغیر مروارید تیار کیا وہ محض دوا رہ گئی اور خمیرہ رہ گیا مشک اور مروارید سے عاری۔

ہم نے سطور بالا میں عقائد اسلام اور عقائد دیگر ادیان کا تھوڑا سا مقابلہ کیا ہے۔ ایسا بہ طیب خاطر نہیں کیا گیا۔ وجہ یہ ہے کہ اسلام کو شکست خوردہ ذہنیت کا حامل بتانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس کی وجہ مسلمانوں کی موجودہ حالت ہے۔ ہم کو اس سے انکار نہیں کہ اہل دین کا مقام دنیوی حیثیت سے کچھ عرصہ قدرے کم و کم تر رہا لیکن اس کی وجہ اسلام سے دوری ہے، اسلام نہیں۔ ہم اس موضوع پر انشاء اللہ اسی مقالہ میں آگے چل کر کچھ عرض کریں گے۔ بہر صورت اس وقت ہم نے صرف اتنی کوشش کی ہے کہ صرف اسلام کا تخیل خداوندی اپنوں کو بتا دیں اور اس کے مقابلہ میں جیسے جیسے خداوند دیگر ادیان اپنے پیرو کاروں کو عطا فرما رہے ہیں ان کی بھی ایک جھلک اس نہج سے دکھا دیں کہ اسلام کے خدا میں اعتقاد انسان کو کیا مقام بخشتا ہے۔ (م)

جناب ملا واحدی

تاثرات

میں آجکل جناب غلام رسول صاحب مہر کی لکھی ہوئی حیات حضرت سید احمد بریلوی رہ پڑھ رہا ہوں۔ اس کی مندرجہ ذیل سطریں آپ بھی ملاحظہ فرمایئے ، سبق آموز واقعہ ہے۔

"اسی زمانہ کا ذکر ہے کہ مولوی سید مظہر علی صاحب نے سید صاحب سے بیعت کی اور اپنے ہاں وعظ و تذکیر کے ذریعے سے مسلمانوں کو اتباع سنت پر آمادہ کرنے لگے۔ ایک موقع پر تعزیہ داری کو روک رہے تھے، خدا جانے کیا واقعات پیش آئے کہ ان پر تعزیہ شکنی کا الزام لگا۔ مقدمہ قائم ہوگیا اور گرفتار ہوگئے۔ ایک دوست شیخ عید انے ضمانت دے کر رہا کرایا۔ مولوی مظہر علی رہائی پاتے ہی وطن سے بھاگے اور سید صاحب کے پاس پہنچے۔ سید صاحب نے حالات سنے تو بہت بگڑے۔ مولوی مظہر علی سمجھتے تھے کہ میں نے بڑا ایثار کیا ہے، عشق دین میں وطن چھوڑا ہے، اس لیے ثواب کا مستحق ہوں۔ سید صاحب نے فرمایا، آپ ثواب ہجرت کے امیدوار ہیں ؟ حالانکہ آپ کی بیعت بھی ٹوٹ گئی۔ آپ کے جسم نے تو ذرا سی تکلیف نہیں اٹھائی اور دوسرے نیک مسلمانوں کو مصیبت میں الجھا دیا۔ دوبارہ بیعت کیجیے اور فوراً واپس جایئے۔ وہاں جو کچھ پیش آئے اسے صبر اور خوش دلی کے ساتھ برداشت کیجیے۔

چنانچہ مولوی مظہر علی واپس گئے حسن اتفاق سے مقدمہ ان کے خلاف ثابت نہیں ہوا اور وہ بری کردیئے گئے۔

یہی تربیت تھی جس نے تھوڑی سی مدت میں سید صاحب کے گرد انسانیت کے ایسے گرانمایہ جواہر جمع کردیئے تھے، جن کی مثالیں اسلامی تاریخ کی اکثر صدیوں میں شاید ہی مل سکیں۔"

خاکسار واحدی نے حضرت سید احمد بریلوی (شہید) کے پیر و مرشد حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رح کے دیکھنے والوں کو دیکھا ہے اور حضرت سید احمد بریلوی سے میاں نذیر حسین محدث دہلوی اپنی جوانی میں پٹنہ جاکر ملے تھے، میاں نذیر حسین کے دیکھنے والے تو ابھی بہت زندہ ہوں گے۔ حضرت سید احمد بریلوی کی شہادت میری پیدائش سے ساٹھ سال قبل پینتالیس سال کی عمر میں ہوئی تھی۔ دو پشت نہ سہی تین پشت پہلے حضرت شاہ عبدالعزیز اور حضرت سید احمد (شہید) کا زمانہ تھا۔ اتنے قریب زمانے کی بات ہے کہ ہم میں شاہ صاحب اور سید صاحب جیسے لوگ موجود تھے، جن کے حالات پڑھ کر صحابۂ کرام کا زمانہ یاد آجاتا ہے اور ایمان تازہ ہوجاتا ہے۔

مغل بادشاہوں کا زوال ہو رہا تھا، بداعمالیوں نے حاکموں کو حکومت کا اہل نہ رکھا تھا۔ محکوموں پر بھی اس کا اثر تھا، سکھ ابھر رہے تھے، مرہٹے بڑھتے جاتے تھے، انگریز

چالیس سب کو ہرائے دیتی تھیں۔ لیکن مسلمان حکام اور مسلمان خواص وعوام کو "نفسی نفسی" اور "این دفتر بے معنی غرق مے ناب اولیٰ" سے فرصت نہ تھی۔ اودینہ بیگ، گورنر پنجاب سکھوں کی سرپرستی کررہا تھا اور عماد الملک، نظام دکن مرہٹوں کو بڑھا رہا تھا، ان حالات میں حضرت سید احمد بریلوی نے جنم لیا اور قدرت نے انہیں ایسے بزرگوں کے پاس پہنچا دیا، جنھیں زبونی حالات کا احساس ہوچکا تھا۔

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ رح، حضرت مولانا شاہ عبدالعزیزؒ کے والد ماجد، اورنگ زیب عالمگیر کے دور کی جھلک کسی قدر دیکھ چکے تھے۔ اورنگ زیب کی رحلت کے بعد اس دور ددرے کا مٹنا حضرت شاہ ولی اللہ نے خوب اچھی طرح دیکھا حضرت شاہ صاحب کے دیکھتے دیکھتے زوال نمایاں ہوگیا حضرت شاہ صاحب اول شخص ہیں، جنھوں نے اسے محسوس فرمایا اور زوال روکنے کے لئے کام کیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ اپنے ہر ملنے والے کو زوال کا احساس کراتے رہے اور اپنے ہر شاگرد اور پیرو میں یہ جذبہ بھرتے رہے کہ زوال و انحطاط کا مقابلہ مذہباً فرض ہے۔

حسب بیان جناب مہر حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے ایما سے حضرت سید احمد بریلوی نواب امیر خاں کے لشکر میں بحیثیت سپاہی بھرتی ہوئے، اور سات برس امیر خاں کے ساتھ رہے اور سپاہی سے امیر خاں کے مشیر اعلیٰ بن گئے۔

نواب امیر خاں سلطان حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے درجے کا آدمی تھا، شجاعت کی طرح ان حضرات میں انگریزوں کی چالیں سمجھنے کی قابلیت بھی ہوتی تو یہ حضرات ہندوستان کا نہیں، دنیا کا نقشہ بدل ڈالتے۔

انگریزوں کی چالوں نے امیر خاں کو انگریزوں سے معاہدہ کرنے پر مجبور کردیا تھا۔ لیکن حضرت سید احمد (شہیدؒ) نے آخر وقت تک معاہدے کی مخالفت کی۔ امیر خاں نہ مانا تو سید صاحب اس سے الگ ہوگئے اور براہ راست جہاد کی تیاریاں کرنے لگے۔

سید صاحب نے امیر خاں کے ہاں کے قیام میں جہاد بھی کئے تھے اور مجاہدے کرکے تزکیۂ نفس بھی اس قدر کرلیا تھا کہ شاہ عبدالعزیزؒ صاحب اپنے عزیزوں سے کہہ دیتے تھے کہ جاؤ سید احمد سے اکتساب فیض کرو۔

مہر صاحب لکھتے ہیں:- ایک روز حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے بھانجے اور داماد، مولانا عبدالحئیؒ نے اسرار صلوٰۃ اور حضوری قلب کے متعلق حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سے چند سوال کئے۔ شاہ صاحب نے فرمایا۔ سید احمد سے پوچھ لو۔ حضرت سید احمد نے نہایت وضاحت کے ساتھ سمجھایا، مگر مولانا عبدالحئیؒ مطمئن نہ ہوئے۔ حضرت سید احمد بولے۔ اچھا وضو کرو، اور میرے پیچھے کھڑے ہوکر دو رکعت نماز پڑھو۔ مولانا عبدالحئیؒ کا بیان ہے کہ ان دو رکعتوں میں مجھے وہ نعمتیں ملیں جو پوری عمر نہیں ملی تھیں مولانا عبدالحئیؒ نے سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ یہ سارا ماجرا مولانا شاہ محمد اسمٰعیل (حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے بھتیجے) نے سنا تو انھوں نے بھی سید صاحب سے رجوع کیا۔ چنانچہ انھیں بھی دو رکعتیں پڑھوائی گئیں اور نعمتوں سے مالامال کرادیا گیا۔ وہ بھی بیعت ہوگئے۔

شاہ اسمٰعیل کے بعد حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے نواسے شاہ اسحاق نے بیعت کی۔

حضرت سید احمد بریلوی ان مریدوں کے برابر پڑھے لکھے نہیں تھے۔ اکابر علما کی بیعت سے حضرت سید احمد صاحب کا ڈنکا بج گیا۔

حضرت سید احمد جس سے بیعت لیتے تھے اُسے مجاہدہ اور جہاد دونوں کی تلقین کرتے تھے۔ اللہ کے واسطے جان دینے پر آمادہ کرلینا کل منازل کو طے کرا دینا ہے، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے سول (CIVIL) محکمے کو حضرت کے بھائی شاہ عبدالقادرؒ نے سنبھال رکھا تھا اور ملٹری (MILITARY) کے انچارج (INCHARGE) سید صاحب تھے۔ سید صاحب جیسا انسان ہی اس محکمے کا انچارج ہوسکتا تھا۔ سید صاحب غیر معمولی عزم اور ہمت کے انسان تھے۔ ان کی ظاہری زندگی درویشوں کی سی تھی، لیکن عام درویشوں میں ان کے سے اوصاف

جناب محمد حفیظ اللہ پھلواروی

اسلامی مساوات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں امیر و غریب صغیر و کبیر، آقا و غلام سب برابر تھے، سلمانؓ و صہیبؓ و بلالؓ سب کے سب غلام رہ چکے تھے۔ آپ کے دربار میں رؤسائے قریش سے کم رتبہ نہ تھا۔ ایک مرتبہ سلمانؓ و بلالؓ ایک موقعہ پر جمع تھے، اتفاق سے ابو سفیانؓ نکلے ان لوگوں نے کہا ابھی تلوار نے اس دشمن خدا کی گردن پر پورا قبضہ نہیں پایا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان لوگوں سے کہا، سردار قریش کی شان میں یہ الفاظ! پھر آں حضرت صلعم کی خدمت میں آئے اور واقعہ بیان کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہیں تم نے ان لوگوں کو ناراض تو نہیں کیا۔ ان لوگوں کو ناراض کیا تو خدا کو ناراض کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فوراً جاکر ان بزرگوں سے کہا بھائیو، آپ لوگ مجھ سے ناراض تو نہیں ہوئے ان لوگوں نے کہا "نہیں۔ خدا تم کو معاف کرے"!

(صحیح مسلم بحوالہ سیرۃ النبی حصہ اول)

نسب کا غرور و نخوت مٹانے کے لئے اور مساوات کی مثال قائم کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ کی شادی اپنے غلام زیدؓ بن حارثہ سے کر دی۔ اس طرح عملاً دنیا کو دکھا دیا کہ ایک غلام بھی اگر اس میں تقویٰ اور قابلیت ہے تو ایک اعلیٰ سے اعلیٰ خاندان کا رکن بن سکتا ہے، یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں بلکہ وہ عظیم الشان واقعہ ہے جس کا تذکرہ خداوند پاک نے قرآن پاک میں فرمایا۔

اپنی موت سے قبل نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے شام و فلسطین پر حملہ کرنے کی غرض سے جنگ کی تیاری کا حکم دیا۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ کو جو آزاد کردہ غلام کے بیٹے تھے سالار لشکر مقرر فرمایا اور بیماری کی حالت میں حضرت اسامہؓ کا جھنڈا خود اپنے دست مبارک سے درست کر کے رخصت کیا۔ عہد نبوی کی یہ آخری مہم تھی۔ اس لشکر میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ جیسے جلیل القدر اکابر شریک تھے، جنھیں ایک آزاد شدہ غلام کی قیادت منظور کرنے میں ذرہ برابر پس و پیش نہیں اور بعض لوگوں کو حضرت اسامہؓ کی سرداری ناگوار معلوم ہوئی اور جب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ملی تو آپ نے فرمایا۔

"تم لوگ پہلے زیدؓ کی سرداری پر طعن و طنز کر چکے ہو، حالانکہ وہ اس کا اہل تھا اور اب اسامہؓ سردار بنایا گیا ہے اور وہ اس کا اہل ہے۔"

آج امریکہ اور فرانس کا گوشہ گوشہ مساوات اور آزادی کے غلغلوں سے گونج رہا ہے، مگر ان ملکوں کی اندرونی حالت غور سے دیکھا جائے تو وہاں نام کو بھی مساوات نہیں، امرا اپنی لڑکیوں کی شادی کسی غریب سے کرنا پسند نہیں کرتے غریبوں کے ساتھ عیب سمجھتے ہیں ان کی سوسائیٹی میں شریک ہونا برا خیال کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ عبادت خانے میں بھی غریب کے ساتھ جانے میں عار ہوتا ہے۔ قبرستان بھی ان کے لئے علیحدہ ہوتے ہیں۔ صرف نام مساوات کا ہے۔

اس کے مقابلہ میں تم دیکھو کہ مذہب اسلام سکھاتا ہے کہ مسلمان سب برابر ہیں۔ مسلمان بادشاہ کو بھی ایک ادنیٰ غریب کے ساتھ کھانے میں عار نہیں ہوتا ہے۔ یہ صرف زبانی نہیں بلکہ مسلمان بادشاہوں نے کر کے دکھلا دیا ہے

شاہزادیوں کی شادی اپنے غلاموں سے کردی ہندوپاکستان میں بھی اس کی مثال موجود ہے۔ غلاموں نے یہاں سلطنت کی جو غلام خاندان کے نام سے موسوم ہے۔

ہماری مسجدیں امیر اور غریب کے لئے علٰحدہ نہیں بنائی جاتیں بلکہ امیر و غریب سب لوگ خدا کے دربار میں ایک ساتھ ایک ادا سے حاضر ہوتے ہیں۔

اگر ایک چمار کلمۂ پاک پڑھ کر اسلام قبول کرے تو کیا تم اس کو نیچ قوم کہہ کر الگ ہٹا دوگے۔ نہیں۔ تمہیں اسلام ہرگز اس کی اجازت نہیں دیتا کہ تم ایسا کرو۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ تمہارے حلقہ میں جو آئے وہ تمہارا بھائی ہے۔ دیکھو کلام ربانی ہے۔

اِنَّمَا المؤمِنُونَ اِخْوَۃٌ

سب ایمان والے بھائی بھائی ہیں۔

اَلْمُسْلِمُ اخو المسلم لا یَخْذُلُہٗ

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، ایک دوسرے کو ذلیل نہ سمجھے۔

کلمۂ پاک وہ کیمیائے سعادت ہے کہ ہر ناپاک اور خراب انسان کو پاک بنا دیتا ہے یعنی کوئی کیسا ہی چھوٹے اور معمولی طبقہ کا ہو، اگر وہ کلمۂ پاک دل سے پڑھ لیتا ہے تو وہ سب مسلمانوں کا بھائی ہو جاتا ہے۔ پھر تم کو کوئی حق حاصل نہیں کہ تم اس کو کم ذات یا کمینہ کہو۔

مل گیا جو ہم میں آکر پھر نہ تھے ہم پوچھتے
روم ہے یا ترک، ارمن ہے عرب ہے یا عجم
ملت بیضا نے قوموں کی مٹادی تھی تمیز
تھے بلال و جعفر و سلماں برابر محترم
ایک رنگت میں اخوت کے تھے سب ڈوبے ہوئے
اسود و احمر جو تھے اسلام کے زیر علم
(حالی)

شرافت نسبی کی عزت عقلمندوں کے نزدیک کچھ بھی نہیں ارباب دانش ایک منٹ کے لئے بھی اس بات کو گوارا نہیں کرسکتے کہ نسب فروشی کی دوکان سجا کر دنیا میں عزت حاصل کی جائے۔ شرافت نسبی پر فخر کرنا اور شرافت نسبی کے ذریعہ اپنی عزت حاصل کرنی، اسلام کے نزدیک فعل لغو ہے

آنانکہ فخر خویش با جداد می کنند
چوں سگ باستخواں دل خود شاد می کنند

(ترجمہ) جو لوگ اپنے اجداد پر فخر کرتے ہیں وہ کتے کے مثل ہڈیوں پر اپنا دل خوش کرتے ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں

اِنَّ الفتیٰ من یقولُ ھا انا ذا
لیس الفتیٰ من یَقُولُ کانَ اَبِی

مرد وہ جو کہے کہ میں ایسا ہوں نہ وہ جو یہ کہے کہ میرا باپ ایسا تھا

یہ عام دستور ہے کہ ہر ایک شخص جو کسی وجہ سے صاحب دولت و ثروت ہو جاتا ہے اپنا سلسلہ نسب کسی مشہور ہستی سے ملاتا ہے خواہ اس مشہور شخص کے آبا و اجداد بھی چور اور ڈاکو ہی ہوں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جو بھی سردار قوم ہوا اسی قماش کا آدمی تھا۔ تھوڑے ہیں جو نیک نفسی سے سیادت اور احترام کے مستحق تھے۔ لقب "سید" جو آج دنیائے اسلام میں واجب الاحترام ہے، کبھی بنو فاطمہ یا بنو ہاشم کا امتیازی جزو نام نہ تھا جب حکومت غیر عرب کے ہاتھ میں بنو فاطمہ یا عباسیہ کے تحت آئی تو ان میں بعض سید بہ معنی "سردار" کہلائے۔ ناصر خسرو جو علوی اسمٰعیلی ہے، اپنے سفرنامہ میں قرامطہ بحرین کی نسبت لکھتا ہے کہ ان میں سے صاحب حکومت "سید" سے موسوم تھے۔ غالباً ان ہی لوگوں نے پہلی دفعہ اس لقب کو خاص معنوں میں رائج کیا۔ فرقہ باطنیہ "کا بانی ابو الخطاب میمون القداح اپنا سلسلہ نسب محمد بن الحنفیہ علوی سے ملاتا ہے۔ قرامطہ جس کا بانی ابوسعید طاہر تھا۔ باطنیہ کی ایک شاخ ہے۔ القداح کی نسبت مورخین کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق نے اس کو اپنے "اہل بیت" میں شامل

کرلیا تھا جس طرح روایت ہے کہ آنحضرت نے سلمان فارسی کی نسبت فرمایا کہ "من اہل بیتی"

بندۂ عشق شدی ترکِ نسب کن جامی
کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

(خلافت اسلامیہ ص۹۰)

مشہور مورخ مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی اپنی کتاب "آئینہ حقیقت نما" جلد دوم میں تحریر فرماتے ہیں

"سید یعنی فاطمی صرف ہندوستان کا محاورہ ہے، دوسرے تمام اسلامی ممالک میں اور ہندوستان میں بھی ذی علم طبقہ میں ہمیشہ "سید" کا لفظ سردار کے معنی میں استعمال ہوتا رہا ہے اور اس زمانے کی تصانیف میں قریش، مغل، ترک، پٹھان سب کے لئے جو سرداری کا مرتبہ رکھتے تھے "سید" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔"

(مطبوعہ ہمدرد پریس ص۲۰)

یہ قاعدہ ہے کہ جب ایک قوم ترقی کرتی ہے اور جب اس میں پوری طاقت آجاتی ہے تو قومی نخوت اثر کئے بغیر نہیں رہتی۔ عرب میں قومی امتیاز کا بڑا خیال تھا لیکن جب (سید) نے ترقی کی تو بجائے اس کے کہ اس میں اور ترقی ہو، الٹا اثر پڑا، اور عرب اس بات میں بہت نرم ہوگئے۔ وہ لوگ جو کل تک قبائل یثرب کے شرفا کو اس قابل بھی نہیں سمجھتے تھے کہ بدر کی لڑائی میں ان سے مقابلہ کریں آج وہ غلام کی سرداری مان لینے میں ذرا پس و پیش نہیں کرتے۔ مسلمانوں کی ترقی کے زمانہ میں قومی امتیاز کا مٹانا اور تمام مسلمانوں کے ساتھ اخوت اسلامی کا مساوی درجہ برت قائم رکھنا وہ قومی شعار اور اپنی ترقی کا سب سے بڑا زینہ خیال کرتے تھے۔ اور درحقیقت اسلام کی ترقی کا اصل راز بھی یہی ہے۔ مساوات کی تعلیم نے اسلام کے پھیلانے میں بڑی مدد دی تھی، لیکن افسوس کہ ہندو پاکستان کے مسلمانوں نے ہندوؤں کی طرح ایک طور پر تقسیم کردیا اور یہ نہ سمجھے کہ پاک اور مقدس اسلام قومی امتیاز کو مٹانے کے لئے آیا تھا، اب مسلمانوں میں شریف اور رذیل کی شاخیں پھوٹ نکلیں اور اس کی تشریح یہ کی جاتی ہے کہ شرفا وہ ہیں جو سید یا شیخ ہیں۔ اور اہل حرفہ کم ذات ہیں "شرافت" اور "رذالت" یہ دونوں الفاظ ہیں جو بہ کثرت استعمال کئے جاتے ہیں۔ اور ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو بات بات پر رذیل کہنے لگتا ہے۔ شرافت کے یہ معنی سمجھے جاتے ہیں کہ عالی خاندان ہونا چاہئے، چاہے اس کی حرکات کیسی ہی خراب ہوں۔ ایک شخص عالی خاندان ہونے کا فخر کرتا ہے مگر نہ اس کے اخلاق ہی اچھے ہیں اور نہ پابندی مذہب سے اس کو کچھ سروکار۔ دن رات شراب و کباب میں مشغول رہتا ہے مگر پھر بھی جب کسی سے کوئی بات ہوتی ہے تو کہتا ہے کہ "میں شریف ہوں"! کیا شرافت کے معنی یہی ہیں؟ ایک شخص جو چھوٹے طبقے کا ہے، اس کے اخلاق اور اس کے حرکات کیسے ہی اچھے ہوں، وہ ہزار متقی اور پرہیزگار ہو مگر پھر بھی وہ "کم ذات" کے خطاب سے مخاطب کیا جاتا ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک مسلمان اپنے نسب میں کیوں فخر کرتا ہے۔ اور دوسرے مسلمان کو ذلیل سمجھتا ہے۔

(باقی آئندہ)

اسلامی ذبیحہ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم اس مرتبہ اپنی گوناگوں علمی و دینی مصروفیات کے سبب اپنے گرانقدر مقالہ "اسلامی ذبیحہ" کی چوتھی قسط تحریر نہیں فرما سکے امید ہے کہ انشاء اللہ آئندہ شمارے میں یہ قسط البلاغ کی زینت ہوگی۔

ادارہ

جناب واصل عثمانی
ایم۔اے

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رح

سنہ ۱۹۵۲ء کی بات ہے، الٰہ آباد کے مسلمانوں میں
روں طرف غلغلہ بلند ہے کہ مولانا شاہ وصی اللہ صاحب
ظم گڈھی تشریف لا رہے ہیں۔ محلہ حسن منزل کے مدرسہ
ں ٹھہرنے کا انتظام کیا جا رہا ہے۔ مولانا سراج الحق مچھلی
شہری، حافظ محمد یٰسین، قاری حبیب احمد صاحبان دوڑ
وپ میں مصروف ہیں۔ خوشی کے ساتھ ساتھ ہر کسی کے
ہرے پر فکر اور احساس ذمہ داری کے اثرات نمایاں ہیں
وشی مولانائے موصوف کے آمد کی اور گھبراہٹ اس کی کہ کہیں
ئی چیز مولانا کی طبیعت کو ناگوار نہ گذرے۔

وہ لیجئے مولانا کی آمد کا دن آہی گیا۔ آدمیوں کے ہجوم
شتاقین کے جمگھٹے میں درمیانی قد کے ایک عام انسانوں کی
کل وصورت کا آدمی نظر آتا ہے جس کے چہرے پر نہ مصنوعی
قار ہے نہ رعب و دبدبہ مگر پھر بھی غضب کی جاذبیت ہے
ور باطن کی شعاعیں پھوٹی پڑ رہی ہیں۔ چال میں متانت آنکھوں
یں شرمیلا پن اور لہجے میں نرمی کا احساس ہو رہا ہے۔ مریدین
معتقدین لپکے پڑتے ہیں۔ مصافحہ کرتے ہیں اور حسن منزل لے
تے ہیں۔ سر پر عمامہ باندھے ہوئے علم و عمل کا یہ آفتاب
مدرسہ عربیہ حسن منزل میں جلوہ افروز ہے۔ ارادتمند پروانوں
کی طرح چاروں جانب حلقہ بگوش ہیں۔ سامنے سراج الحق
صاحب موجود ہیں جو اپنی تقریر و تحریر کی وجہ سے عموماً اور اپنی
فسیر کی وجہ سے خصوصاً الٰہ آباد میں مشہور و معروف ہیں

اور مولانا کے خلیفہ مجاز ہیں۔ مگر مولانائے موصوف کے
سامنے ان کا بھی یہ عالم ہے کہ طفلِ مکتب کی مانند سر جھکائے
بیٹھے ہیں۔ مولانا ان کے شانے کو ہلاتے ہیں اور بار بار
استفسار کرتے ہیں "سمجھے" "سمجھے" اور وہ اثبات میں گردن
ہلاتے ہیں۔ دبی زبان سے "جی" "جی" بھی کرتے جا رہے ہیں
سارا مجمع خاموش بیٹھا ہے۔ ظہر بعد کا وقت ہے۔ مدرسہ
میں تعطیل ہو چکی ہے مگر اب بالغوں کا مدرسہ قائم ہے۔ بڑی
بڑی داڑھی لمبے کرتے صافے اور صدری پہننے والے خاموش
بیٹھے مولانا کی تقریر سُن رہے ہیں۔ گردنیں ایک دو کی نہیں
پچیسوں کی جھکی ہوئی ہیں۔ اپنے اپنے گریباں میں منھ ڈالے
ہر ایک اپنا محاسبہ کر رہا ہے۔ اللہ اکبر! کیا شان ہے
تعلیم و تربیت کی اور کیوں نہ ہو۔ ہیں بھی کس مجتہد زماں۔
افضل العلما، کامل الفن شیخ بےنظیر کے مرید۔ شیخ بھی ایسا
ویسا نہیں۔ حکیم الامت رح۔ اور نباضِ فطرت انسانی حضرت
مولانا اشرف علی تھانوی رح۔ جنہوں نے اپنے رویئے سے
بڑے بڑے ٹیڑھے دماغ درست کئے، اپنے متوسلین کے
قلب و ذہن میں دینی بصیرت کا نور پیدا کیا، بدسلیقہ لوگوں
کو سلیقہ شعار بنایا اور گمراہوں کو راہِ ہدایت دکھائی۔ علمِ دین
کی اشاعت اور تبلیغ میں جتنا زبردست کام مولانا تھانوی رح
نے کیا اس سو سال میں اس کی نظیر ملنی دشوار ہے۔ طریق
تصوف کو حیاتِ نو بخشنے سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو

زندہ رکھنے اور دین کو فروغ دینے میں اپنے آپ کو ہمہ تن مصروف رکھا اور اپنے بعد مبلغین کی ایک ایسی جماعت چھوڑ گئے کہ ان کے دم قدم سے خدمت دین ہو رہی ہے۔

مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات با برکات صرف الہ آباد یا اس کے دیار وامصار کے لئے ہی نعمت نہ تھی بلکہ تمام ملتِ اسلامیہ کے لئے ایک زبردست شمع ہدایت تھی۔ عرصہ دس سال سے مولانا موصوف اپنے آبائی وطن اعظم گڈھ سے ہجرت کر کے الہ آباد آگئے تھے۔ محلہ بخشی بازار کو آپ نے اپنے قیام کی دولت سے سرفراز فرمایا تھا۔ وہ محلہ جہاں چند سال قبل اوباش قسم کے لوگ پہلے سینما کے گانے گاتے ہوئے سڑکوں پر گھوما کرتے تھے۔ آپ کے قیام کے بعد سے تلاوت کلام پاک کی گونج سے بھرا ہوا تھا۔ لوگوں کے چہروں پر ایمان کا نور جھلکتا ہوا نظر آتا تھا۔ مسجد پر رونق اور صالحین ومعتقدین سے آباد رہتی تھی۔ آپ نے الہ آباد تشریف لا کر یہاں کے مسلمانوں کی دینی حالت سدھارنے اور بہتر کرنے میں انتھک کوشش کی آپ کی انہیں کاوشوں کی وجہ سے مسجدوں میں تفسیر قرآن اور درس قرآن کے چرچے ہوئے لوگوں کو اپنے حالات کا جائزہ لینے کی فکر ہوئی۔ عوام کے اندر دین کی ایک سچی لگن ہو گئی اور دلوں میں خلوص ومحبت۔ اخلاق وکردار کے سوتے پھوٹ نکلے۔

مولانا کے یہاں مریدین اور معتقدین کو یوں تو علم وعمل کے صدہا درس مستقل طور پر ملا کرتے تھے۔ مگر تلاوت کلام پاک کے لئے مولانا بڑی سختی سے تاکید کرتے اور نفاق جیسے روحانی خبث سے بچنے کی ہمیشہ تلقین فرماتے۔ اپنا محاسبہ کرنا ان کے یہاں ہر مرید پر لازمی تھا۔ آپ کے اندازِ تربیت میں حکیم الامت حضرت تھانوی کے اسلوب اصلاح کی بڑی دلآویز جھلک پائی جاتی تھی جو اپنی اصلاح کے لئے جاتا اس پر خود بھی کڑی نظر رکھتے اور اس کو بھی محاسبۂ نفس کی تاکید فرماتے رہتے۔ مخاطبین میں وکلا۔ بیرسٹر جج۔ اعلیٰ حکام سے لے کر "رمضانی" اور "جمن" سب ہی موجود ہوتے، مگر ہر شخص کا محاسبہ اس طرح کیا جاتا تھا جو اس شخص کے خاص نفسیاتی حالات کے لحاظ سے مفید ہو۔ چنانچہ جہاں سختی کی ضرورت ہوتی، وہاں آپ ادنیٰ رو رعایت کے بغیر سختی فرماتے جس کے نتیجے میں تکبر ونخوت، اور غرور وخود پسندی کا خمار خاک میں مل جاتا اور عجز وانکسار۔ خلوص ومحبت کے چراغ فروزاں ہوتے۔ ۱۹۶۰ء میں پاکستان سے الہ آباد جانے پر راقم الحروف کو بھی آپ کی زیارت کی سعادت دوبارہ نصیب ہوئی۔ اپنے متوسلین کے محاسبہ کے بعد مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ نہ سمجھنا کہ میں صرف لوگوں کو ڈانٹنا ہی جانتا ہوں بلکہ ضرورت کی بنا پر خلوص کے ساتھ اس کو اختیار کرتا ہوں، ورنہ اگر خلوص نہ ہوتا تو میں کیوں کہتا؟ اور یہ سب کیوں خموش رہتے؟ مولانا کی خدمت میں لوگ اپنی اصلاح کی غرض سے مختلف اضلاع اور صوبوں سے آتے۔ ہفتوں مہینوں اس "شیخ حق" کی خدمت میں رہتے۔ فیض صحبت حاصل کرتے اور نور باطنی کی دولت لے کر واپس جاتے۔ رشد وہدایت کا یہ سرچشمہ سالہا سال سے اپنے شیخ طریقت کی سنت پر عمل کرتا رہا۔ صبح کے وقت کی مجلس خصوصی ہوتی جس میں منتہی طلبا اور علماء شرکت کرتے۔ بعد نماز ظہر کی مجلس میں عام انسانوں کو شرکت ہونے کی اجازت ہوتی۔ متوسلین ومریدین ومتعلقین کی اصلاح کی خاطر

وصیۃ السالکین

وصیۃ الاخلاص	وصیۃ الاخلاق	اخوت　توقیر العلما
تحذیر العلما	علم کی ضرورت	مضمون ذکر
تلاش مرشد	فوائد الصحبۃ	الاصول النادرہ
وصیۃ الاحسان	تلاوت قرآن	حج رب البیت
اعتراف ذنوب	نسبت صوفیہ	عاقبۃ الانکار
التذکیر بالقرآن	وصیۃ السنۃ	الامر الفارق

طریق کار اعتقاد و افکار خوف آخرت

مژدۂ جانفزا نعم الامیر جیسی معرکۃ الآرا کتابیں تصنیف کرکے آپ نے اللہ اور اس کے دین کی زبردست خدمت انجام دی ہے۔

آپ کی ولادت ۱۳۱۳ھ میں فتحپور ضلع اعظم گڈھ میں ہوئی، دس بارہ سال کی عمر میں آپ نے قرآن حفظ کرلیا تھا فارسی کی کتابیں اور ابتدائی عربی وطن ہی میں پڑھکر دار العلوم دیوبند سے تقریباً بچیس سال کی عمر میں فراغت حاصل کی حضرت علامہ سید انور شاہ صاحب کشمیری، حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ جیسے جید علما آپ کے اساتذہ تھے۔ ۱۳۴۰ھ سے آپ نے ارشد و ہدایت کا سلسلہ قائم رکھا۔ جو تا دم آخر قائم رہا۔ آپ کا حافظہ بہت قوی تھا۔ تفسیر و تصوف سے آپ کو فطری لگاؤ تھا۔ مروت و محبت، مہمان نوازی آپ میں بدرجہ اتم موجود تھی۔ آپ بڑے کشادہ دل، رحمدل اور خدا ترس انسان تھے۔

دربار خداوندی سے آپ کے نام دو پروانے بیک وقت جاری ہوئے۔ ایک تو سفر حج کا اور دوسرا سفر آخرت کا

مظفری جہاز پر بمبئی سے ۲۲ر نومبر مطابق ۱۹ر شعبان سوار ہوئے۔ ۲۵ر نومبر مطابق ۲۲ر شعبان کو نماز تہجد ادا کرنے کے بعد آرام کرنے کی غرض سے لیٹے کچھ دیر بعد کوئی خادم چائے کی پیالی لیکر حاضر ہوا، دیکھا تو روح قفس عنصری سے پرواز کرچکی تھی، رب کعبہ کے گھر جاکر "لبیک" کہنے کی آرزو میں خود رب کعبہ کے حضور میں "لبیک" کہدی انا للہ و انا الیہ راجعون قابل رشک ہے یہ وفات جو نماز فجر کے انتظار میں سفر حج میں ہوئی۔

مولاناؒ سے بیشمار علماء و فضلاء نے کسب فیض کیا۔ اس وقت مجھے مولانا سراج الحق صاحب مچھلی شہری کا وہ قول یاد آتا ہے جو انہوں نے آپ کا تذکرہ کرتے ہوئے مناجات مقبول کے ۱۳۷۴ھ کے ایڈیشن میں درج کیا تھا کہ ؎

"اہل نظر خود جاکر حضرتؒ کا فیض جاری ملاحظہ کرلیں اور نفع اٹھالیں کہ دنیا اور حیات دنیا چندروزہ ہے"

حیف صد حیف کہ سراج الحق صاحب نے جس وقت کا طرف اشارہ کیا تھا وہ آپہنچا اور علم و فضل۔ رشد و ہدایت کا

مسافرانِ آخرت

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم

استاذ الاساتذہ

حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم صاحب صدر مدرس دار العلوم دیوبند نور اللہ مرقدہ

اِک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم، ۲۵ رمضان ۱۳۸۶ھ کو آل انڈیا ریڈیو کے ذریعہ اچانک یہ خبر ملی کہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قافلہ کی آخری کڑی اور دار العلوم دیوبند کے ایک قرن کی آخری یادگار استاذ محترم حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم صاحب بھی دنیا سے رحلت فرما کر اپنے سابقین کے ساتھ جا ملے۔ اِنا للہِ و انا الیہ راجعون۔

احقر کا بچپن سے پچپن تک کا پورا ہی زمانہ دار العلوم دیوبند کی فضاء میں گذرا ہے۔ اب سے ستاون سال پہلے ۱۳۳۰ھ میں جب احقر نے اپنی ابتدائی تعلیم فارسی ریاضی وغیرہ سے فراغت پاکر دار العلوم کے درجہ عربی میں داخلہ لیا تو یہ دار العلوم کی تاریخ کا وہ روشن دور تھا جس میں شیخ الہند بلکہ شیخ العالم حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے صدر مدرس تھے اور وہی اوس وقت کے ناظم تعلیمات تھے۔ بانی دار العلوم قاسم العلوم والخیرات رح کے صاحبزادے حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رح مہتمم اور حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب عثمانی نائب مہتمم اور حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب رح مفتی اور حضرت گنگوہی اور حضرت شیخ الہند کے تلامذہ اس کے بڑے مدرسین تھے۔ علامہ مولانا محمد ابراہیم صاحب رح۔ شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب۔ جامع العلوم حضرت مولانا رسول خاں صاحب مدظلہ۔ اوس وقت کے متوسط مدرسین میں شمار ہوتے تھے۔ اور میرے لئے خاص کرم فرما اور مہربان و شفیق استاذ تھے۔

پھر دیکھتے دیکھتے وہ دور بھی آگیا کہ حضرت شیخ الہند رح کی وفات ہوئی اور اون کے تلمیذ استاذ محترم حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ صدر مدرس ہوئے۔ اس وقت دار العلوم کی تعلیم کا محور یہی حضرات قرار پائے۔ انہیں کے زیر سایہ احقر کی طالب علمی کا دور پورا ہو کر تعلیم و تدریس کا سلسلہ شروع ہوا اور دیر تک جاری رہا۔ اور استاذ محترم حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب کی وفات کے کچھ عرصہ بعد دار العلوم کی خدمت فتویٰ میرے سپرد کر دی گئی۔ میری تعلیم و تدریس اور فتویٰ و تصنیف کا بہت بڑا حصہ انہیں اساتذہ کرام کی آغوش شفقت میں رہکر پورا ہوا۔

اور ۱۳۶۷ھ میں جب احقر نے پاکستان کی طرف ہجرت کی تو میرے اساتذہ کی صف میں سے صرف دو حضرات دار العلوم میں باقی تھے۔ یعنی شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد دیوبند میں صرف یہی استاذ اور بزرگ باقی رہ گئے تھے اون کی عنایات اور

شفقت بزرگانہ سے اس بعد بعید کے باوجود محروم نہیں تھا
افسوس کہ آج یہ سایہ شفقت بھی اٹھ گیا۔ انا للہ وانا الیہ
راجعون۔

حضرت علامہؒ دارالعلوم دیوبند سے سند فراغت
حاصل کرنے کے بعد ابتداءً بزرگان دیوبند ہی کے ایماء پر
عمری ضلع مراد آباد پھر فتحپوری دہلی میں خدمات تدریس
انجام دیتے رہے۔ پھر ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء میں حضرت شیخ الہند کے ایماء پر
دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت مدرس تشریف لائے اور اس وقت سے
آخر دم تک اپنی اسی مادر علمی سے وابستہ رہے۔ درمیان میں
کچھ عرصے ڈابھیل پھر مشرقی پاکستان کے بعض مدارس میں بھی
رہنا ہوا مگر دارالعلوم دیوبند کی ساتھ قلبی وابستگی ہر حال میں
رہی یہاں تک کہ آخری عمر کے تقریباً پچیس ۲۵ سال پھر دارالعلوم
ہی کی خدمات میں رہکر یہیں ستاسی سال عمر کے پورے
کئے۔ ۱۷ رمضان کو قلب کا دورہ اور فالج کا حملہ ہوا
۲۴ رمضان ۱۳۸۸ھ کو اس دار فانی سے رحلت فرماگئے۔
انا للہ وانا الیہ راجعون۔

دارالعلوم کی علمی ساکھ اور بہت سے انتظامی امور
آپ ہی سے وابستہ تھے۔

حضرت علامہؒ ہزارہا اکابر علماء کے استاذ تھے۔
ہندو پاکستان کے موجودہ ارباب علم میں اکثریت اون کے
شاگردوں کی ہے اور دونوں ملکوں میں سیکڑوں مدارس
ایسے ہیں جو مولانا مرحوم ہی کے شاگردوں سے آباد ہیں اب
کون کس کی تعزیت کرے؟ اصل بات یہ ہے کہ حضرت علامہؒ
کا ہم سب پر حق ہے کہ اپنی اپنی مقدور کے مطابق ایصال ثواب
اور دعاء مغفرت ورحمت کا سلسلہ جاری رکھیں۔ اللھم
اغفرلہ مغفرۃ ظاہرۃ وباطنۃ لا تغادر ذنبا واجعل
آخرتہ خیرا من الاولیٰ ولا تحرمنا خیرا بعدہ!

بقیہ مضمون نقد و تبصرہ

عالم اسلام میں کس پیمانے پر اور کن راستوں سے اپنا
اثر و نفوذ پھیلا رہی ہے۔ یہ پورا باب مسلمانوں کے لئے
دعوت فکر و عمل ہے۔ پانچویں باب میں "اسلامی سوشلزم"
کی مہمل اصطلاح کا جائزہ لیا گیا ہے، چھٹا باب "عالم
اسلام اور اشتراکیت کا چیلنج" کے عنوان سے ایک
مذاکرہ پر مشتمل ہے جس میں ٹائن بی، روزنتھال، مونٹگمری
واٹ، سید ابوالاعلیٰ مودودی، چودھری محمد علی اور
جسٹس عبدالحمید صاحبان کے مضامین ہیں، آخر میں
"اسلام کا میزانی نظریہ معیشت" کے عنوان سے نعیم
صدیقی صاحب کا ایک مضمون ہے، بلا شبہ یہ نمبر اپنے
موضوع پر ایک کامیاب اور اونچے درجے کی پیشکش
ہے۔ جس کے لئے چراغ راہ کا ادارہ مبارکباد کا مستحق ہے
اس کے ساتھ ہی اس بات کی ضرورت ابھی باقی ہے کہ
مارکس کے فلسفۂ جدلیت، نظریۂ قدر زائد مسئلہ ملکیت
اور کائنات کے بارے میں اس کے مابعد الطبعی نقطۂ نظر
پر خالص علمی انداز میں مبسوط گفتگو کی جائے، یہ موضوعات
اگرچہ اس نمبر کے مختلف مقالوں کے ضمن میں آگئے ہیں
لیکن ان پر مستقل مقالوں کی ضرورت ہے، اگر اس
کمی کو اس نمبر کے دوسرے حصے میں پورا کردیا جائے تو
بڑا اچھا ہو۔ (م۔ت۔ع)

اے ماؤ، بہنو، بیٹیو! مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری

خواتین اسلام سے

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں

نویں حدیث

وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا اَنْفَقَتِ الْمَرْأَۃُ مِنْ طَعَامِ بَیْتِھَا غَیْرَ مُفْسِدَۃٍ کَانَ لَھَا اَجْرُھَا بِمَا اَنْفَقَتْ وَلِزَوْجِھَا اَجْرُہٗ بِمَا کَسَبَ وَلِلْخَازِنِ مِثْلُ ذٰلِکَ لَا یَنْقُصُ بَعْضُھُمْ اَجْرَ بَعْضٍ شَیْئًا (رواہ البخاری ومسلم)

مشکوٰۃ شریف ص ۱۷۱

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب عورت اپنے (شوہر) کے کھانے میں سے خرچ کرے اور بگاڑ کا طریقہ اختیار کرنے والی نہ ہو تو اس کو خرچ کرنے کی وجہ سے اور شوہر کو کما کر لانے کی وجہ سے ثواب ملے گا، اور جو خزانچی ہے (جس کے پاس رقم یا مال محفوظ رہتا ہے اگرچہ وہ مالک نہیں ہے مگر اس مال میں سے جب اللہ کی راہ میں خرچ ہوگا تو) اس کو بھی اسی طرح سے ثواب ملتا ہے (جیسے مالک کو ملا، غرض ایک مال سے تین شخصوں کو ثواب مل گیا، کمانے والا اسکی بیوی جس نے صدقہ کیا، اس کا خزانچی اور کیشیئر جس نے مال نکال کر دیا) اور ایک کی وجہ سے دوسرے کے ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی یعنی ثواب بٹ کر نہیں ملے گا بلکہ ہر ایک کو اپنے عمل کا پورا ثواب دیا جائے گا۔

تشریح:۔ جو شخص کما کر لایا ہے اس کے مال سے صدقہ دیا جائے تو اس کو ثواب ہوگا لیکن اس کی بیوی جو اس کے مال میں صدقہ دے گی وہ بھی ثواب پائے گی۔ بہت سی عورتیں طبیعت کی کنجوس ہوتی ہیں اگر شوہر کسی غریب کو دینا چاہتا ہے تو برا مانتی ہیں اور منہ بناتی ہیں، اگر ان کے پاس کچھ رکھا ہو اور شوہر کسی کو دینے کے لئے کہے تو برے دل سے نکال کر دیتی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے روپیہ کے ساتھ کلیجہ نکلا آ رہا ہے، بھلا ایسا کر کے اپنا ثواب کھونے سے کیا فائدہ؟ بعض نیک بخت لوگ کسی طالب علم یا امام یا مؤذن کا کھانا مقرر کرنا چاہتے ہیں مگر بیوی آڑے آجاتی ہے اگر شوہر نے مقرر کر ہی دیا تو ہر روز کھانا لگاتے وقت جھک جھک کرتی ہیں جس سے شوہر بھی آزردہ ہوتا ہے اور اپنا ثواب بھی کھوتی ہیں۔

حدیث شریف میں شوہر کے مال سے عورت کے صدقہ خیرات کرنے کا ثواب بتاتے ہوئے غَیْرَ مُفْسِدَۃٍ

لفظ بڑھایا ہے یعنی بگاڑ کی راہ پر چلنے والی نہ ہو، اس لفظ کا مطلب بہت عام ہے جو بہت سی باتوں کو شامل ہے مثلاً یہ کہ شوہر کی اجازت کے بغیر اس کے مال میں سے خرچ کرتی ہو، اجازت کے لئے صاف زبانی اجازت ہونا ضروری نہیں ہے اگر یہ معلوم ہے کہ شوہر خرچ کرنے پر دل سے راضی ہے تو یہ بھی اجازت کے درجہ میں ہے اسی طرح یہ بھی بگاڑ کی راہ ہے کہ اپنے عزیزوں کو نوازتی ہو اور شوہر کے عزیز قریب ماں باپ اور اہل اولاد (خصوصاً پہلی بیوی کے بچے) خرچ سے پریشان رہتے ہوں یا مثلاً ثواب سمجھ کر بے تکے پر خرچ کرتی ہو اور شوہر لحاظ میں کچھ نہ کہتا ہو، یا تو چیز خرچ کرتی ہو جو مالیت کے اعتبار سے زیادہ ہے اس کا خرچ کرنا شوہر کو کھل جائے...... زیادہ مال کے خرچ میں صاف اجازت کی ضرورت ہے، بہت سی عورتوں کو صدقہ کا جوش ہوتا ہے مگر مرد کی اجازت کا دھیان نہیں کرتی ہیں یہ غلطی ہے ہاں اپنا ذاتی مال ہو تو شوہر کی اجازت کی پابندی نہیں مگر مشورہ کر لینا اس صورت میں بھی مفید ہے کیونکہ مردوں کو سمجھ زیادہ ہوتی ہے، ایک عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ اپنے باپوں اور بیٹوں اور شوہروں کے مالوں میں سے کیا کچھ خرچ کرنا (یعنی صدقہ کرنا اور ہدیہ میں لینا دینا) ہمارے لئے حلال ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اَلرَّطْبُ تَاْكُلْنَهٗ وَتُهْدِيْنَهٗ یعنی ہری گیلی چیز (ان کی صاف اجازت کے بغیر بھی) کھالیا کرو اور ہدیہ دیدیا کرو۔ کیونکہ عموماً ایسی چیزوں سے خرچ کرنے کی اجازت ہوتی ہے ہاں اگر صاف منع کر دیں تو رک جانا، ہری گیلی چیز سے وہ چیزیں مراد ہیں جن کے رکھے رہ جانے سے خراب ہونے کا اندیشہ ہو، جیسے شوربہ، سبزی، بعض پھل وغیرہ۔

دسویں حدیث

وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّ بَعْضَ اَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْنَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّنَا اَسْرَعُ بِكَ لُحُوْقًا قَالَ اَطْوَلُكُنَّ يَدًا فَاَخَذُوْا قَصَبَةً يَذْرَعُوْنَهَا وَكَانَتْ سَوْدَةُ اَطْوَلَهُنَّ يَدًا فَعَلِمْنَا بَعْدُ اِنَّمَا كَانَ طُوْلُ يَدِهَا الصَّدَقَةَ وَكَانَتْ اَسْرَعَنَا لُحُوْقًا بِهٖ زَيْنَبُ وَكَانَتْ تُحِبُّ الصَّدَقَةَ (رواہ البخاری)

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعض بیویوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کی وفات کے بعد ہم میں سے کونسی بیوی سب سے پہلے آپ سے جاکر ملے گی (یعنی سب سے پہلے کس کی وفات ہو گی) آپ نے فرمایا تم میں جس کے ہاتھ سب سے زیادہ لمبے ہیں وہ سب سے پہلے دارفانی سے رخصت ہو گی، (دریافت کرنے والی بیویوں نے اس بات کا ظاہری مطلب سمجھا اور) ایک بانس لے کر سب کے ہاتھ ناپنے لگیں، نتیجۃً حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاتھ سب ہاتھوں سے زیادہ لمبے نکلے (اور یہی سمجھ لیا گیا کہ سب سے پہلے حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات ہو گی لیکن ہوا یہ کہ سب سے پہلے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وفات پائی لہذا) اب پتہ چلا کہ (سب سے پہلے وفات پانے والی کے ہاتھوں کے لمبے ہونے کا مطلب یہ نہ تھا کہ ناپنے میں ہاتھ لمبے ہوں گے بلکہ) لمبے ہاتھوں کا مقصد زیادہ صدقہ کرنا تھا سب سے پہلے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات ہوئی وہ صدقہ کرنے کو (بنسبت

لہ مشکوٰۃ شریف ص ۲۰۲

دوسری بیویوں کے زیادہ) پسند کرتی تھیں۔

(بخاری) مشکوٰۃ ص ۱۶۵

تشریح :- حضرت سودہ اور حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں سے تھیں، حضرت سودہ سے مکہ ہی میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد آنحضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا نکاح ہوگیا تھا، دوسری بیویوں کی نسبت ان کے ہاتھ لمبے تھے، حضرت زینب رضی اللہ تعالےٰ عنہا حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں، پہلے ان کا نکاح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ہوا تھا، آپس میں نباہ نہ ہوا تو انھوں نے طلاق دیدی، ان کی طلاق اور عدت کے بعد اللہ پاک نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت زینبؓ کا نکاح کر دیا۔ سورۂ احزاب میں فرمایا فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا (پھر جب زید اس سے دل بھر گیا تو ہم نے آپ سے اس کا نکاح کر دیا) اسی وجہ سے حضرت زینبؓ دوسری بیویوں کے مقابلہ میں فخر کے طور پر فرمایا کرتی تھیں کہ تمہارا نکاح تمہارے اولیا و اقربا نے کیا اور میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، ان سے ۵ھ ہجری میں آپ کا نکاح ہوا اور آپ کی وفات کے بعد سب سے پہلے ۲۰ یا ۲۱ سنہ ہجری میں ان ہی کی وفات ہوئی ان کی روایت کی ہوئی حدیثیں بھی حدیث شریف کی کتابوں میں ملتی ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے بعض روایات بیان کی ہیں۔

حضرت زینب رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے بارے میں حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا۔

ولم تکن امرءۃ منہا خیرا فی الدین واتقی للہ واصدق حدیثا واوصل للرحم واعظم صدقۃ واشد تبذلا لنفسہا فی العمل الذی تتصدق بہ وتتقرب الی اللہ عز وجل

کوئی عورت دینداری اور پرہیزگاری اور راست بازی اور صلہ رحمی اور صدقہ کرنے میں زینبؓ سے بڑھ کر نہ تھی، صدقہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی نزدیکی حاصل کرنے کے لئے خوب محنت سے مال حاصل کرتی تھیں اور اس میں بھی ان سے بڑھ کر کوئی عورت نہ تھی

اس عبارت کے ترجمہ کو غور سے پڑھو اور دیکھو کہ یہ ایک سوتن کی گواہی ہے، اس سے جہاں حضرت زینبؓ کے دینی کمالات ظاہر ہوئے وہاں حضرت عائشہ رضؓ کی سچائی اور بے نفسی بھی معلوم ہوئی، اپنی سوتن کے کمالات کا اقرار کرنا بہت بڑی بات ہے، آجکل کی عورتیں ذرا سینہ پر ہاتھ رکھ کر سوچیں کہ ان میں حق گوئی اور بے نفسی کہاں تک ہے، مخصوصاً اپنی سوتن کے حق میں، یا جس سے کینہ کپٹ ہو اس کے بارے میں حضرت زینب رضؓ کو صدقہ کرنے کی حرص تھی اور اس حرص کو پورا کرنے کے لئے دستکاری کے ذریعہ مال حاصل کرتی تھیں اور اسے صدقہ کر دیا کرتی تھیں، آجکل کی عورتیں تو سیکڑوں ہزاروں کی ضرورت سے زیادہ بچی ہوئی مالیت میں سے بھی پھوٹی کوڑی دینے کو تیار نہیں، ایک وہ بھی عورت ہی تھی جس کے پاس پیسہ نہ ہوا تو دستکاری سے کما کر صدقہ کر دیا۔ رضی اللہ تعالےٰ عنہا

حضرت زینب رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی دوسری سوتن حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گواہی بھی سن لو، وہ فرماتی ہیں کہ

کانت صالحۃ قوامۃ صوامۃ صناعا تصدق بذلک کلہ علی المساکین۔

زینب نیک عورت تھیں راتوں رات نماز میں کھڑی رہتی تھیں اور خوب کثرت سے روزے رکھتی تھیں اور دستکار بھی تھیں اس سو مال حاصل کرکے سب صدقہ کر دیتی تھیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں نے جب پوچھا کہ ہم میں آپ کے بعد سب سے پہلے کون آخرت کو سدھارے گی؟ تو آپ نے فرمایا کہ جس کے ہاتھ سب میں زیادہ لمبے ہیں دنیائے فانی سے روانہ ہونے میں پہلے اسی کا نمبر آئے گا، یہ بات بطور نشانی اور پیشین گوئی کے فرمائی تھی اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو صدقہ زیادہ کرے جلدی دنیا سے رخصت ہو اس بات کا ظاہری مطلب یہ سمجھ کر ہاتھ ناپے تو حضرت سودہ رضؓ کے ہاتھ سب سے زیادہ لمبے نکلے، پھر جب حضرت زینبؓ کی وفات پہلے ہوئی تو یہ عقدہ کھلا اور ہاتھوں کی درازی کا مطلب سمجھ میں آیا، بات یہ ہے کہ جو سخی ہوتا ہے حقیقت میں اسی کے ہاتھ دراز ہوتے ہیں، جو خیر خیرات کے وقت ضرورتمندوں کی طرف بڑھتے ہیں، ایک حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بخیل اور صدقہ کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے دو شخصوں نے لوہے کے کرتے یعنی زرہیں پہنے ہوئے ہوں (جو پہلے زمانہ میں لڑائی میں پہن کر جاتے تھے اور لوہے کے کڑوں سے بنائے ہوئے ہوتے تھے) اور یہ دونوں کرتے اتنے تنگ ہوتے ہیں کہ دونوں کے ہاتھ ان کی ہنسلیوں اور چھاتیوں سے چپکے ہوتے ہیں، جب بھی صدقہ کرنے والا صدقہ کرنے لگتا ہے تو وہ لوہے کا کرتہ کھلتا چلا جاتا ہے (اور اس کا ہاتھ بڑھتا جاتا ہے) اور جب بخیل صدقہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا ہاتھ سکڑ جاتا ہے اور لوہے کے کرتہ کا ہر کڑا مضبوطی سے اپنی جگہ پر جام ہو جاتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

بیبیو! تم سخی بنو، صدقہ کرنے کی عادت ڈالو جو کچھ اپنے آخرت کے لئے بھیجتی رہو جب وہاں جاؤ گی تو سب پالو گی جیسے کوئی شخص پردیس میں جا کر کمائی کرتا ہے اور اپنے گھر منی آرڈر سے رقم بھیجتا رہتا ہے، یہ دنیا پردیس ہے اور آخرت ہمارا دیس ہے، جب کبھی ضرورتمند کے ہاتھ پر ہم اخلاص اور نیک نیتی کے ساتھ کوئی روپیہ پیسہ رکھتے ہیں تو اپنے دیس کے لئے منی آرڈر کرتے ہیں خوب سمجھ لو۔

حضرت عطاءؒ کا بیان ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا سالانہ وظیفہ بیت المال سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۱۲ ہزار درہم مقرر کیا تھا جسے انھوں نے صرف ایک سال قبول کیا اور لیتے کے ساتھ ہی اپنے عزیزوں اور حاجتمندوں میں تقسیم کر دیا یہ واقعہ سنکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر ایک ہزار کی رقم بھیجی اور فرمایا کہ اس کو اپنی ضرورتوں کے لئے رکھنا، حضرت زینبؓ نے اس کو بھی تقسیم فرما دیا، موت سے پہلے وصیت فرمائی کہ میں نے اپنے لئے کفن تیار کیا ہے اور ایک کفن حضرت عمرؓ کے پاس بھیجیں گے لہذا ایک کفن صدقہ کر دینا چنانچہ ان کی بہن نے وہ کفن صدقہ کر دیا جو انھوں نے خود تیار کیا تھا جب وفات ہو گئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ ذھبت حمیدۃ متعبدۃ مفزوع الیتامی والارامل یعنی زینب دنیا سے اس طرح رخصت ہوئی کہ اچھے اخلاق کے باعث اس کی تعریف کیجاتی ہے اور عبادت گذاری میں رخصت ہوتی اور یتیموں اور بیواؤں کو گھبراہٹ میں ڈال گئی کیونکہ ان پر خرچ کرتی تھی۔

حضرت عمرؓ کا احتساب

جب کسی شہر سے کوئی وفد حضرت عمرؓ کے پاس آتا تو وہ اس سے وہاں کے گورنر کے بارے میں چند سوال کرتے تھے:

"کیا وہ مریضوں کی بیمار پرسی کرتا ہے؟" - "کیا وہ غلاموں کی بیمار پرسی بھی کرتا ہے؟" - کمزور لوگوں کے ساتھ اس کا طرز عمل کیا ہے؟ - کیا کمزور بھی اس کے دروازے پر چلے جاتے ہیں؟ - اگر ان سوالوں میں سے کسی کا جواب نفی میں ملتا تو آپ گورنر کو معزول کر دیتے۔

محمد تقی عثمانی

آپ کے سوال

صرف ایسے علمی، ادبی، معاشرتی اور فقہی سوالات ارسال کیجئے جو عام دلچسپی رکھتے ہوں، مشہور اور اختلافی مسائل سے پرہیز کیجئے۔
تمام سوالات باری باری شائع ہوں گے۔
ادارہ

اسلامی سوشلزم

"اسلامی سوشلزم کیا ہے؟ اور کیا موجودہ حالات میں اس کو قبول کرنا ہمارے لئے درست ہے؟"

(قاضی نذیر احمد سونڈا ضلع ٹھٹھہ)

کچھ عرصے سے ہمارے معاشرے میں یہ وبا چل نکلی ہے کہ مغرب سے آئے ہوئے ہر غلط یا صحیح نظریے کو کیا صرف "اسلامی" کا نام لگا کر اسے بزعم خود "مشرف بہ اسلام" کر لیا جاتا ہے، پھر اس کی تبلیغ شروع کر دی جاتی ہے اسلامی سوشلزم کا نعرہ بھی ایسا ہی ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام اور سوشلزم زندگی کے دو بالکل مختلف نظام ہیں جن میں مطابقت ممکن نہیں، سوشلزم درحقیقت سرمایہ دارانہ نظام کی ہلاکت آفرینیوں کا ایک جذباتی ردِ عمل ہے جو بجائے خود اتنا ہی مُضر اور خطرناک ہے جتنا سرمایہ دارانہ نظام، سوشلزم کی بنیاد انفرادی ملکیت کے انکار پر ہے، سرمایہ دارانہ نظام میں غریبوں کے خون چُوسنے کا جو ظالمانہ کھیل کھیلا گیا، اس سے متاثر ہو کر سوشلزم کے علمبرداروں نے انفرادی ملکیت کا سرے سے انکار کر دیا، حالانکہ اس کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہ ہو سکا کہ چھوٹے چھوٹے سرمایہ دار ختم ہو گئے، اور ان سب کی جگہ ایک بڑا سرمایہ دار وجود میں آگیا جو پورے استبداد کے ساتھ دولت کے ایک بڑے ذخیرے سے کھیلتا ہے، رہا بیچارا مزدور سو وہ سوشلزم میں بھی اتنا ہی بے بس ہے جتنا سرمایہ داری میں تھا۔

اسلامی نقطۂ نظر سے سرمایہ داری کی خرابیوں کا علاج انفرادی ملکیت کا خاتمہ نہیں ہے، بلکہ انفرادی ملکیت کی خود غرضی اور بے لگامی کو ختم کرنا ہے، چنانچہ اسلام میں انفرادی ملکیت کو تسلیم کیا گیا ہے، لیکن سود کی حرمت اور زکوٰۃ، صدقات نفقات، کفارات، عُشر و خراج اور وراثت وغیرہ کے احکام کے ذریعہ اس نے اس ملکیت کو حدود کا پابند بنا دیا ہے۔

اس سے واضح ہو گیا کہ سوشلزم کی بنیاد جس نظریے پر قائم ہے، اسلام اس بنیاد ہی کو تسلیم نہیں کرتا، اس لئے دونوں میں نظریاتی مصالحت کا کوئی امکان نہیں، اسلام سوشلزم نہیں بن سکتا، اور سوشلزم اسلام نہیں کہلا سکتا، لہذا "اسلامی سوشلزم" کا نعرہ ایک مہمل نعرہ ہے جو دونوں معاشی نظاموں یا کم از کم اسلامی نظام معیشت سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ پاکستان میں ہماری ضرورت "اسلام" ہے، "سوشلزم" نہیں،

انعامی بونڈ

انعامی بونڈ کی شرعی حیثیت کیا ہے، اگر ناجائز ہے تو کیوں؟ (ایضاً)

انعامی بونڈ کو بڑی آسانی سے اسلامی اصولوں کے مطابق

بنایا جا سکتا تھا، لیکن افسوس ہے کہ اس کے لئے خواہ مخواہ ایسا طریقِ کار اختیار کیا گیا ہے کہ وہ ناجائز ہو گیا ہے، تحقیق سے معلوم ہوا کہ ہر بونڈ خریدنے والے کے نام پر ایک معین شرح سے سود لگایا جاتا رہتا ہے، لیکن پھر بجائے اس کے کہ ہر شخص کی رقم پر علیحدہ سود دیا جائے، تمام افراد کے سود کی مجموعی رقم کو قرعہ اندازی کے ذریعہ صرف ان لوگوں پر تقسیم کیا جاتا ہے جن کا نام قرعہ میں نکل آئے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بانڈ کے انعام کی رقم سود کو قمار کر کے ادا کیا جاتا ہے، اس لئے یہ رقم لینا حرام ہے۔

قبر پر جانا

"زید کبھی کبھار اتنی لوتے میں سفر کر کے کسی بزرگ کی قبر پر چلا جاتا ہے، خیال یہ ہوتا ہے کہ اس مقام پر اللہ تعالیٰ دعا قبول فرماتے ہیں، اس مقبرے پر بعض مشرکانہ افعال بھی کئے جاتے ہیں، کیا اس طرح جانا جائز ہے؟"

(عزیز اللہ میمن - ریٹائرڈ جج حیدرآباد پاک)

اگر زید شرک و بدعات کے مسائل سے اچھی طرح واقف ہو، اور اسے اعتماد ہو کہ وہاں شرک و بدعات میں مبتلا نہیں ہو گا، تو اس کے لئے جانا جائز ہے، ورنہ نہیں۔

قال ابن حجرؒ فی فتاواہ ولا تترک (ای الزیارۃ) لما یحصل عندھا من منکرات ومفاسد .. لأن القربات لا تترک لمثل ذلک بل علی الانسان فعلھا وانکار البدع بل ازالتھا إن أمکن اھ۔

(شامی ص ۸۴۳ ج اول)

لقطے سے مسجد کی تعمیر

"ایک مسجد کی چھت پر سے ایک سو روپیہ ملا ہے، خدا معلوم کس کا ہے؟ یہاں کے لوگ اس رقم کو تعمیر مسجد پر صرف کرنا چاہتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟"

(علیم الدین بھگوان پورہ ضلع ملتان)

یہ روپیہ شرعاً لقطہ ہے، پہلے مالک کو تلاش کیا جائے، اگر اس سے نا امیدی ہو جائے تو کسی مستحقِ زکوٰۃ کو صدقہ کر دیا جائے، اس میں تملیک ضروری ہے، اس لئے اس کو مسجد کی تعمیر پر صرف نہیں کیا جا سکتا۔

جنت اور کفار

"آج کل بعض لوگوں کا ذہن اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتا کہ صرف مسلمان ہی جنت میں جائیں گے، وہ کہتے ہیں کہ کوئی بھی شخص خواہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو، اگر اچھے کام کرتا ہے تو جنت کا مستحق ہے، واضح رہے کہ یہ خیالات میرے عقیدے میں شامل نہیں ہیں، میں صرف اسلام کو سچا مذہب مانتا ہوں۔ لیکن بہتر ہو کہ ایسے لوگوں کے شبہات کا ازالہ البلاغ کے ذریعہ کر دیا جائے"

(علی محمد - رنچھوڑ لائن کراچی)

ان لوگوں کا یہ شبہہ درحقیقت ایک بنیادی بات کو ذہن میں نہ رکھنے کا نتیجہ ہے، اور وہ یہ کہ اس کائنات میں انسان کا مقام کیا ہے؟ اور جنت و جہنم کی تخلیق کا کیا مقصد ہے؟ قرآنِ کریم کی تعلیم یہ ہے کہ یہ دنیا ایک "دار الامتحان" ہے۔ جنت اس امتحان میں کامیابی کا صلہ ہے، دوزخ ناکامی کی سزا، اور "ایمان" اس امتحان میں کامیابی کی بنیادی شرط اور وہ "لازمی سوال" ہے۔ جسے حل کئے بغیر کوئی شخص کامیاب نہیں ہو سکتا، اس لئے جنت کا حصول ایمان کے بغیر ممکن نہیں دنیا میں روزمرہ جن امتحانات سے ہمارا سابقہ رہتا ہے

ان پر ہی اگر آپ غور فرمائیں تو واضح طور سے نظر آئے گا کہ ہر امتحان میں کچھ سوالات بنیادی اہمیت رکھتے ہیں، اور ممتحن ان سوالات کو کامیابی کا مدار سمجھتا ہے، اور اس کے ساتھ ہی کچھ ایسے سوالات ہوتے ہیں جنہیں حل نہ کرنے سے کامیابی کے درجے میں تو کمی ہو جاتی ہے۔ مگر وہ کامیابی اور ناکامی کے لئے فیصلہ کُن نہیں ہوتے، اب اگر کوئی شخص پہلی قسم کے اہم سوالات کو تو بالکل چھوڑ دے یا انہیں بالکل غلط طریقے سے حل کرے، اور دوسری قسم کے ضمنی سوالات صحیح طریقے سے حل کر دے تو آپ خود ہی سوچئے کہ وہ شخص کامیاب ہو گا یا ناکام؟ ظاہر ہے کہ کوئی معقولیت پسند انسان ایسے شخص کو کامیاب قرار نہیں دے سکتا، اس لئے کہ اس نے اصلی بنیادی سوالات کو بالکل حل نہیں کیا۔ جو شخص اسلام کے بنیادی عقائد توحید، رسالت، آخرت وغیرہ پر ایمان نہیں رکھتا اور ساتھ ہی کچھ اچھے کام بھی کرتا ہے، اس کی مثال بالکل ایسی ہے۔

اسی بات کو ایک دوسرے طریقے سے بھی سمجھ لیجئے، دنیا میں بہت سی چیزیں اپنی ذات کے اعتبار سے مفید ہوتی ہیں، لیکن کوئی دوسری خراب چیز ان کے ساتھ مل کر انکی تمام خوبیوں پر پانی پھیر دیتی ہے، دودھ، گھی، مکھن اپنی ذات کے اعتبار سے کتنی مقوی غذائیں ہیں، لیکن اگر ان کے ساتھ سنکھیا ملا دیا جائے تو یہی چیزیں مہلک بنجاتی ہیں، ــــــ انسان کے اعمال و افعال کا بھی یہی حال ہے، کسی غریب کی روپے پیسے کے ذریعہ امداد کرنا کتنا مستحسن کام ہے، لیکن اگر اس سے مقصد محض دکھاوا اور نام و نمود ہو تو یہ نیکی دنیوی نقطۂ نظر سے بھی اکارت ہو جاتی ہے۔

قرآن کریم کا ارشاد یہی ہے کہ "کفر" وہ زہر ہے جو انسان کے تمام نیک اعمال کو اکارت کر دیتا ہے، یہ اعمالِ خیر اگر ایمان کے ساتھ ہوں تو انسان کے درجات میں ترقی کا سبب بنتے ہیں، اور ان سے اس کی آخرت سنورتی ہے، لیکن اگر انکے ساتھ کفر مل جائے تو وہ ان کو اسی طرح بیکار کر دیتا ہے جیسے سنکھیا دودھ اور گھی کو۔ جو شخص خدا کا یا اسکی وحدانیت کا منکر ہو، اس کے رسولوں کو (معاذ اللہ) جھوٹا کہتا ہو اس کی نازل کی ہوئی کتابوں کو من گھڑت بتاتا ہو اور اس کے بتائے ہوئے نظام زندگی کا سرے سے انکار کرتا ہو، اور اس قدر سنگین جرائم کے بعد وہ کوئی اچھا کام بھی کر لے تو اسے مستحق انعام قرار دینے میں آخر کیا معقولیت ہے؟ فرض کیجئے کہ ایک نہایت خوش اخلاق، محنتی اور ذہین شخص ہے جو اپنی مبنی بر انصاف حکومت کے خلاف بغاوت کی سازش کرتا ہے، اس کے دشمنوں سے مل کر ان کی مدد کرتا ہے، اس کے قانون کی کھلم کھلا توہین کرتا ہے، تو کیا محض اس کی خوش اخلاقی اس کو ان سنگین جرائم سے بری کر سکے گی؟ اور اگر حکومت اس کو موت کی سزا دے تو کیا کوئی انصاف پسند انسان حکومت کے اس فیصلے کو ظلم قرار دے سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ نہیں! اس کا جرم اتنا سنگین ہے کہ اس کی موجودگی میں اس کی خوش اخلاقی کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

اب آپ خود سوچ لیجئے کہ جو شخص خدا کا، اس کے رسولوں کا، اس کی کتابوں کا اور اس کے قوانین کا باغی ہو، اسے محض اس کی خوش اخلاقی کی بناء پر جنت کا مستحق کیوں کر قرار دیا جا سکتا ہے؟

یہ مغربی تہذیب ہے

از: الفریڈ زینگر
ترجمہ: ہمایوں اختر صاحب
دارالعلوم کراچی

سویڈن کا خوشحال معاشرہ

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو!

آج سویڈن کے عوام مغربی یوروپ میں زندگی کے بلند ترین معیار سے لطف اندوز ہیں۔ انہیں مکانات کے کرایوں میں تخفیف، کم تنخواہ پانے والوں کے لئے کرایہ میں کٹوتی، مفت علاج معالجہ۔ دواؤں اور ڈاکٹروں کے بلوں کے سلسلے میں مراعات زچگی میں مفت دیکھ بھال۔ زچگی کے لئے نقد بھتّے کی ادائیگی، اعلیٰ تعلیم کا مفت انتظام بیماری کے ایام کی تنخواہ۔ بے روزگاری کے لئے بیمہ۔ ضعیف العمری اور معذوری کا بیمہ غرض اس قوم کی زندگی میں مشکل ہی سے کوئی چیز ایسی مل سکے گی جسے ہم غربت یا افلاس کے نام سے پکار سکیں اور یہ حقیقت ہے کہ وہاں غریبوں کی ایک بستی بھی نہیں، صرف یہی نہیں بلکہ نسلی اور اقلیتی مسائل کا وہاں کوئی وجود تک نہیں۔

ان تمام نعمتوں کے باوجود بیشتر سویڈ باشندے غیر مطمئن اور بے چین ہیں۔ دنیا میں ایک بہترین فلاحی مملکت کی حیثیت سے جس سالہ تعمیر کے باوجود سویڈن آج بھی اپنے بنیادی مسائل کا کوئی حل نہیں رکھتا بلکہ بعض معاملات میں تو وہ مسائل اور زیادہ پیچیدہ ہو چکے ہیں۔ فلاح و بہبود اور تعلیمی اصلاحات پر کثیر رقومات خرچ کرنے کے باوجود وہ معاشرے کی ان برائیوں کو آجتک نہ دبا سکے جنہیں جرائم کہا جاتا ہے۔ وہ نہ شراب نوشی کو ختم کر سکے نہ دیگر منشیات کا استعمال بند ہو سکا۔

جرائم کی رفتار ۱۹۵۰ء سے دوگنی ہو چکی ہے۔ گذشتہ تین سال میں قتل اور ڈاکہ زنی کی وارداتوں کا معیار اگرچہ یونائیٹڈ اسٹیٹس کے مقابلے میں کم ہے لیکن پھر بھی اسی فیصد بڑھ چکا ہے۔ زنا بالجبر کے واقعات میں اٹھائیس فیصد اضافہ ہے۔ پولس کے قول کے مطابق شراب نوشی کا عالم باعث تشویش ہے اور نشہ پیدا کرنے والی ادویات کا استعمال نوخیز و نوجوان لوگوں میں وبا کی صورت اختیار کرتا چلا جا رہا ہے۔ افسروں کا خیال ہے کہ جرائم نیز معاشرتی بدعنوانیوں کی رفتار میں اضافہ جو بالخصوص نوجوان طبقے میں زیادہ ہے۔ اس کا بڑا سبب گھریلو اور خاندانی زندگی کا زوال اور انحطاط ہے۔ ان افسران کا کہنا ہے کہ فلاحی مملکت نے نہ تو خاندانی تعلق اور رشتوں کو استوار کرنے پر توجہ دی ہے اور نہ اخلاقی معیار قائم کیا گیا ہے۔

اگرچہ کرایوں میں تخفیف ایک ایسا کارنامہ ہے کہ جس پر سماجی منصوبہ بند بہت نازاں ہیں لیکن سویڈن میں مکانات کا مسئلہ ایک ایسی پریشان کن صورت میں ہے کہ جس سے سویڈ باشندے آج کے دور میں سخت دشواریوں میں مبتلا ہیں۔ حکومت کی پابندیوں اور اجرتوں کی گرانباری نے ذاتی املاک کی تعمیر کو قطعی حوصلہ شکن بنا دیا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ سویڈن

> نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیبِ حاضر کی
> یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

جس کی آبادی میں اضافے کی رفتار بہت کم ہے۔ مکانات کی قلت کا بری طرح شکار ہے۔ ۱۹۶۷ء میں اسٹاک ہوم میں ایسے افراد جنہوں نے مکانات کے لئے درخواستیں دے رکھی تھیں ۲۳ ہزار تھے۔ اور ۸ لاکھ کی آبادی کے شہر میں جس میں مزید پچاس ہزار افراد جگہوں کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ درخواست دہندوں کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تک پہنچ چکی ہے۔

نوجوان شادی شدہ جوڑے بیشتر اپنے اعزا کے ساتھ رہنے پر مجبور ہیں اور بہت سے ایسے ہیں کہ جنہیں اپنا مکان حاصل کرنے کے لئے دس دس سال انتظار کی زحمت گوارا کرنی پڑتی ہے۔ نفع خور بلیک مارکیٹ ریٹ پر رہائش گاہیں رشوت لیکر دیتے ہیں جس کا نرخ ایک ہزار ڈالر سے دو ہزار ڈالر فی کمرہ تک ہوتا ہے۔ تعمیراتی اخراجات آسمان سے باتیں کر رہے ہیں اور حکومت کی روک تھام کے باوجود نئی رہائش گاہوں کے کرائے برابر بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں۔

سویڈن میں طبی سہولتوں کا تصور نئی مصیبت کا پیش خیمہ ہے۔ حفظ صحت کے لازمی بیمے کے تحت علاج معالجے کی مانگ پیشتر سے کئے ہوئے اندازے کے مقابلے میں بہت زیادہ بڑھ چکی ہے۔ اسپتال بھی بیشتر اوقات ضرورت سے زیادہ بھر جاتے ہیں اور ڈاکٹروں نیز نرسوں کی تعداد میں تشویشناک حد تک کمی واقع ہوگئی ہے۔

یورپ میں ایسی تمام اچھی چیزوں پر ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے کہ جو مفت پیش کی جاتی ہوں اور یہ ایک بہت بڑا بار ہے اور یہ بوجھ ان ہی لوگوں کو برداشت کرنا پڑتا ہے کہ جو ان چیزوں سے زیادہ مستفیض ہوتے ہیں اور وہ لوگ عام طور پر غریب یا اوسط درجے کی آمدنی رکھنے والے ہوتے ہیں۔

معاشرتی تحفظ کے ٹیکس کو شامل کرتے ہوئے سویڈن میں مجموعی ٹیکس کی تعداد اس وقت کل قومی پیداوار کا ۴۰ فیصد ہو چکی ہے، امریکہ کے ٹیکسوں کے مقابلے میں کہ جنہیں بے شمار فوجی اخراجات بھی شامل ہیں۔ سویڈن میں ٹیکس کا بوجھ $\frac{1}{3}$ حصہ زیادہ ہے۔ (یہاں رفاہی کاموں کے اخراجات دفاعی اخراجات سے دوگنے زائد ہیں۔

نچلے اور متوسط آمدنی رکھنے والے لوگ امریکہ میں اسی درجے کے لوگوں کے مقابلے میں تقریباً دوگنا ٹیکس ادا کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک شادی شدہ سویڈ باشندہ جس کی سالانہ آمدنی ۵ ہزار ڈالر ہو اپنی آمدنی کا ۳۰ فیصد آمدنی اور سماجی تحفظ کے ٹیکس کے بطور ادا کرتا ہے جبکہ ایک غیر شادی شدہ شخص اپنی آمدنی کا ۳۷ فیصد ٹیکس میں ادا کرتا ہے۔ ۲۰ ہزار سالانہ کی آمدنی پر شادی شدہ لوگوں کو ۵۰ فیصد اور غیر شادی شدہ کو ۵۳ فیصد ادائیگی کرنا ہوتی ہے۔

بکری کا عمومی ٹیکس جس کا نفاذ ۱۹۶۰ء میں کیا گیا ابتدا ۴،۲ فیصد تھا لیکن اب وہ ۱۱ فیصد ہو چکا ہے۔ بلاواسطہ ٹیکسز وقتاً فوقتاً برابر بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ ایک گیلن مٹی کے تیل پر دو تہائی، سگریٹ کے ایک پیکٹ کی قیمت پر ۸۰ فیصد اور ایک بوتل شراب پر ۹۰ فیصد ٹیکس عائد ہے۔

ایک حالیہ جائزے کے تحت ایک سویڈ خاندان جس کی انکم ٹیکس کے قابل تین ہزار پاؤنڈ آمدنی ہو بالواسطہ بلاواسطہ اور سماجی تحفظ کے ٹیکسوں کے بطور ۴۸ فیصد ادائیگی کرتا ہے اور یہ بار آمدنی کے اضافہ کے ساتھ ساتھ بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ فلاحی پروگرام کی ہوس پھر بھی اس قدر زیادہ ہے کہ حکومت کا بجٹ ہمیشہ خطرے کی حد در میں رہتا ہے جس کے باعث قرضہ جات اور قیمتوں میں تیزی کے رجحان میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ سویڈن میں

عام استعمال کی اشیاء کی قیمتیں ۱۹۵۰ء سے اب تک دوگنی ہو چکی ہیں۔ اور زندگی کے اخراجات ۱۹۶۰ء کے مقابلہ میں ۳۰ فیصد بڑھ چکے ہیں جبکہ ریاستہائے متحدہ میں اس کے مقابلے میں صرف ۱۲ فیصد بڑھے ہیں۔ اجرتوں اور تنخواہوں میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ لیکن اجرتوں میں تیزی کے رجحان کے سبب بعض صنعتوں میں مقابلے کی کیفیت کمی کی طرف مائل ہے۔

قیمتوں میں انتہائی اضافوں کے باعث غیر ملکی منڈیاں ختم ہوتی جا رہی ہیں اور ہر شخص کے لئے روزگار کا مہیا کیا جانا خطرے میں پڑھ چکا ہے۔

فلاحی مملکت کی خرابیوں کے سلسلے میں سویڈن کا ردعمل اور زیادہ انقلابی اور جمہوری ہے۔ انقلابی نعرے ایک فیشن بنتے جا رہے ہیں۔ سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کے لئے کہ جس نے عوام کو مفروضہ سماجی بہبود کے سلسلے میں بہت کچھ دیا تھا رائے دہندگان کی حمایت گذشتہ موسم خزاں کے انتخابات میں ۴۲ فیصد رہ گئی جبکہ ۱۹۶۲ء میں ۵۰ فیصد تھی۔

کارل ہنرک ہرمینس جو سویڈن کا چوٹی کا اشتراکی ہے۔ اور تمام اشتراکیوں کے مقابلے میں مقبول ترین ہے۔ پرزور مطالبہ کر رہا ہے کہ معاشی حالات پر شدت کے ساتھ قابو پایا جائے۔ اس کا مطالبہ ہے کہ امراء نیز اونچے قسم کی تجارتوں پر مزید ٹیکس بڑھائے جائیں تاکہ ان لوگوں کو سکون مل سکے کہ جو کم آمدنی کے مالک ہیں۔

سوشل ڈیموکریٹک حکومت کو اس بات کی توقع ہے کہ وہ مزید انقلابی تحریکوں کے ذریعہ جمہور پسندوں کو اپنے قابو میں کر لیگی جبکہ ضمن میں عظیم منافعوں پر ٹیکس عائد کرنے کا فخریہ پیش کیا جانے والا خیال ایک مثال کی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن جیسے جیسے سوشل ڈیموکریٹک حکومت کمیونسٹوں کے دعووں کا مقابلہ کرنے کی خاطر جمہوریت پسندی کی جانب میلان ظاہر کرتی جا رہی ہے۔ ویسے ویسے وہ تجارتی حلقوں اور معقول پسندوں کے درمیان اپنی حمایت اور وقار کھوتی جا رہی ہے۔ وہ روایتی تعلقات جو حکومت اور تاجر طبقے کے درمیان تھے آہستہ آہستہ خراب ہوتے جا رہے ہیں۔

الغرض! اگر آپ سویڈن کی عظیم سوسائٹی کے پیش منظر کے پس پشت ملاحظہ فرمائیں گے تو آپ کو ایک اندوہناک تصویر نظر آئے گی جو نہ تو سماجی مسائل کے حل کا مظہر ہوگی اور نہ ایسی قوم کی کہ جس نے طمانیت قلب کا راز پالیا ہو۔

آج امریکہ کی ریاستہائے متحدہ اس سے بھی فزوں تر فلاحی منصوبے پورے جوش اور جذبے کے ساتھ تیار کر رہی ہے اس توقع میں کہ وہ سماجی مسائل کا کلی طور پر حل تلاش کر لیگی۔ شائد کانگریس کو ہوش آجائے کہ وہ سویڈن کی وقوعہ کیفیات کا بہ نظر غائر مطالعہ کر سکے۔

ترجمہ از ریڈرز ڈائجسٹ ستمبر ۱۹۶۷ء بحوالہ
یو۔ ایس نیوز اینڈ ورلڈ رپورٹ واشنگٹن

کل کے معمار

مولوی محمد اسحاق جہلمی سال ہفتم دار العلوم کراچی

تجارتی سُود کی شرعی حیثیت

اللہ تعالیٰ نے انسانی فلاح وبہبود کے لئے باہمی تعاون، ہمدردی اور خیر خواہی کو ضروری قرار دیا ہے اور ان تمام معاملات کو جنمیں مکرو فریب، دھوکہ، غدر اور ظلم پایا جاتا ہے ممنوع قرار دیا ہے ـــــ ان میں قمار، سٹہ، ربوا پیش پیش ہیں، ربوا چونکہ ظلم، حرص، خود غرضی اور دوسروں کے اموال پر ناجائز آرزوؤں کا سبق دیتا ہے اس لئے اسکو اس کی بدترین شناعتوں کی وجہ سے بہت شدومد کے ساتھ منع فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

یاایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربٰوا ان کنتم مومنین فان لم تفعلوا فأذنوا بحرب من اللہ ورسولہٖ (سورۂ بقرہ)

اے ایمان والو، اگر فی الحقیقت تمہارا اللہ پر ایمان ہے تو اس سے ڈرو، اور جو سود تمہارا لوگوں پر باقی ہو اس کو چھوڑ دو، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ قبول کرو!

سود کھانے والوں کے لئے کتنی بڑی وعید ہے، اسی طرح اور دوسری آیات واحادیث میں بھی سود خوار کی بہت مذمت کی گئی ہے ـــــ اب سب سے پہلے یہ سمجھنا چاہئے کہ سود کی حقیقت کیا ہے اس لئے یہاں سب سے پہلے ربوا کی تعریف کی جائے گی، اور پھر اس کی قسمیں اور متجددین کے اعتراضات اور ان کا جواب ذکر ہوگا۔

ربا کے لغوی معنی مطلق زیادتی کے ہیں ـــــ اور اصطلاح شرع میں، ـــــ مال کی پر اس زیادتی کو کہا جاتا ہے جو کہ معاوضۃ المال بالمال" میں بغیر کسی عوض کے مشروط ٹھہرائی گئی ہو۔

پھر ربا کی دو قسمیں ہیں (۱) ربوا النسیہ، (۲) ربوا الفضل، ربا النسیہ کی تعریف، ھو الزیادۃ المشروطۃ علی قرض (وہ زیادتی جو قرض پر مشروط ٹھہرائی گئی ہو) چونکہ قرآن کریم نے اس قسم کو حرام قرار دیا ہے اس لئے اسے "ربوا القرآن" بھی کہا جاتا ہے۔ زیر بحث چونکہ ربوا النسیہ ہے اس لئے صرف اسی کو ذکر کیا جائے گا"

ربوا النسیہ کے بارے میں عہد حاضر کے متجددین کے دو گروہ ہوگئے ہیں؛ ایک کہتا ہے کہ عہد رسالت میں چونکہ صرفی سود (وہ سود جو کسی وقتی اور شخصی ضرورت کے واسطے لئے ہوئے قرض پر لیا جا)

مقابلۂ مضامین

(۱) شعبان کے شمارے میں مضمون نگاری کے جس مقابلے کا اعلان کیا گیا تھا، اس کے نتائج درج ذیل ہیں۔

(۱) انعام اول: مولوی محمد اسحٰق جہلمی متعلم سال ہفتم دار العلوم کراچی۔

(۲) انعام دوم: مولوی بشیر احمد کشمیری متعلم سال ہفتم دار العلوم کراچی۔

(۳) انعام سوم: مولوی سید حمید احمد گردیزی، درجہ تخصص فی الفقہ والقانون، سال دوم جامعہ اسلامیہ بہاولپور۔

پہلا مضمون اس شمارے میں حاضر ہے اس مضمون پر ایک سال کیلئے بینات، الحق اور البلاغ کے علاوہ اعلاء السنن کی چار جلدیں انعام میں دی گئیں۔

کا رواج تھا، اس لئے وہ حرام ہوگا، اور جہاں تک تجارتی سود (جو کسی نفع اور کام کے واسطے لئے ہوئے قرض پر لیا جائے) کا تعلق ہے وہ اس وقت رائج ہی نہیں تھا، اس لئے جائز ہے۔

اور دوسرا گروہ سود کو مفرد اور مرکب دو قسموں میں بانٹتا ہے ——— اور کہتا ہے کہ عہد رسالت کا مروج سود، سود مرکب تھا، قرآن حکیم میں اس سے منع کیا گیا ہے، اور بنکوں کا سود، اگر سود مفرد ہے تو حلال ہے اور مرکب (یعنی سود در سود) ہے تو حرام ہے۔

پہلے گروہ کی دلیل، دو مقدمات پر مبنی ہے ——— (۱) تجارتی سود عہد رسالت میں رائج نہیں تھا ——— (۲) اور ہر وہ صورت جو عہد رسالت میں رائج نہ ہو وہ حرام نہیں ——— ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ اس دلیل کے دونوں مقدمات غلط ہیں، صغریٰ بھی اور کبریٰ بھی۔ کبریٰ اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کسی چیز کا نہ ہونا، اس کی حلت کی دلیل نہیں بن سکتا؛ اس لئے کہ شریعت نے ہمارے لئے کچھ اصول متعین فرمائے ہیں۔ جو چیز قرآن و سنت کے اصول کے مطابق حرام ہو، وہ چاہے عہد رسالت کے بعد ہی وجود میں آئی ہو، بہرحال حرام ہوگی۔ مثلاً قرآن کریم نے خمر کو حرام قرار دیا ہے۔ اس لئے قیامت تک خمر کی جتنی قسمیں وجود میں آئیں گی وہ سب اس میں داخل ہوں گی، یہ کہنا بجا نہ ہوگا کہ اس زمانہ میں انگوروں کو سڑا کر شراب بنائی جاتی تھی اور اس سائنٹفک دور میں اس کو بہت صفائی اور احتیاط سے مشینوں کے ذریعہ کشید کیا جاتا ہے، لہذا برانڈی، وہسکی، اسکاچ اور رم جائز ہونی چاہئیں ——— اسی طرح قرآن حکیم میں فحشاء (بدکاری) سے منع فرمایا گیا ہے، لہذا ہر وہ بدکاری جس پر فحشاء کا اطلاق ہوتا ہے وہ اس میں داخل ہو گی، عہد رسالت میں مخلوط ڈانس وغیرہ نہیں تھے، لیکن یہ بھی فحشاء کی ایک قسم ہے اس لئے حرام ہو گی، بعینہ ربوا کی بھی یہی صورت ہے، لہذا اصول یہ قرار پائیگا کہ جو چیز ربوا کی تعریف میں آئے گی وہ حرام ہو گی، اور مدار وہ تعریف ہو گی جو عہد رسالت میں رائج اور معروف ہو ——— اور ہم جب اس عہد کی طرف دیکھتے ہیں تو اس وقت کے لوگوں کے ذہن میں ربوا کا جو تصور تھا وہ یہ تھا "کل قرض جرّ نفعا فھو ربا"[۱] یہ روایت جو کہ حضرت ابن عباس رضؓ سے منقول ہے، بعض نے اسے مرفوع قرار دیا ہے۔ اور بعض اسے موقوف کہتے ہیں، علامہ سیوطیؒ نے اسے درمنثور میں نقل کیا ہے، اگرچہ بعض نے اس پر کلام کیا ہے لیکن علامہ مناویؒ شرح جامع صغیر میں فرماتے ہیں کہ یہ روایت متعدد طرق کی وجہ سے حسن لغیرہ کے درجہ میں ہے، اور حسن لغیرہ بالاتفاق مقبول اور قابل استدلال ہوتی ہے، اور جب ربا کا مفہوم واضح ہوگیا تو معلوم ہوا کہ یہ تعریف جیسا کہ صرفی اور احتیاجی سود پر صادق آتی ہے، تجارتی سود پر بھی صادق آتی ہے، نیز چودہ سو سال کی پوری تاریخ میں تمام علماء اور فقہاء نے "ربوا" کی یہی تعریف کی ہے، یہ روایت صرف روایت ہی نہیں بلکہ "تلقی بالقبول" کی وجہ سے اس پر اجماع[۲] ہو چکا ہے، پس معلوم ہوا کہ کبریٰ باطل ہوا، اور یہ ثابت ہوا کہ کسی چیز کی حرمت کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ عہد رسالت میں رائج ہو۔

مندرجہ بالا تشریح سے ان کا وہ اعتراض بھی ختم ہو جاتا ہے، جو وہ کرتے ہیں کہ "مدار حکم کا علت پر ہوتا ہے، اور علت "ظلم" ہے، اور ظلم تجارتی سود میں نہیں ہوتا اس لئے وہ حرام بھی نہیں ہوگا" ——— اس لئے کہ اوپر بیان ہوا کہ صرفی سود کو تجارتی سود پر قیاس کر کے حرام نہیں کہا گیا بلکہ یہ خود ربوا کی تعریف میں داخل ہونے کی وجہ سے حرام ہے اور تجارتی سود خود ربوا کا مدلول ہے ——— نیز یہ کہنا غلط ہے کہ ربوا کی علت ظلم ہے۔ یہ کہنا دراصل علت اور حکمت میں خلط کرنے کا نتیجہ ہے، علت اس سبب کو کہا جاتا ہے جس کی وجہ سے حکم لایا جاتا ہے اور وہ علت حکم کے لئے موقوف علیہ کا درجہ رکھتی ہے اور حکمت وہ فائدہ ہے جو اس

---

[۱] فیض القدیر ج ۵ ص ۲۸ مطبوعہ مصر بلفظ منفعۃ،

[۲] قال الموفق ——— کل قرض شرط فیہ ان یزیدہ فھو حرام بغیر خلاف (اوجز المسالک ج ۵ ص ۹۶ مطبوعہ سہارنپور)

حکم پر مرتب ہوتا ہے ـــــــ احکام تشریعیہ میں اللہ کے پیش نظر حکمت ہوتی ہے اور بندوں کے پیش نظر علت یہ علت احکام معلوم کرنے کے لئے علامت کا کام دیتی ہے۔ بندے اس علت کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی مرضی کا پتہ لگاتے ہیں، بندوں کو حکمت کے درپے ہونے کا مکلف نہیں کیا گیا۔ نیز بعض احکام کی حکمت بندہ پر ظاہر بھی نہیں ہوتی، لہذا بندوں کا کام یہ ہے کہ وہ احکام کی علت معلوم کریں جہاں علت پائی جائے گی وہاں حکم ہوگا، اور جہاں علت نہیں ہوگی وہاں حکم بھی نہیں ہوگا،

ـــــــ یہ بات سو فی صد عقلی ہے، اس کی حسی مثالیں بھی بے شمار ہیں (۱) مثلاً چوراہے پر ٹریفک کے سگنل لگے ہوتے ہیں کبھی سرخ بتی جلتی ہے، اور کبھی سبز، سرخ بتی کا جلنا علت (علامت) ہوتی ہے ٹریفک کے روک دینے کی؛ اور اس کی حکمت یہ ہے کہ تصادم سے بچا جائے اگر کوئی شخص یہ دیکھے کہ سڑک سنسان پڑی ہوئی ہے اور سوائے چند آدمیوں کے سڑک پر کوئی نہیں تو اس وقت وہ اس سرخ بتی کی جو کہ علت ہے پرواہ کئے بغیر سڑک کو پار کرتا ہے تو قانون اسے گذرنے کی اجازت نہیں دے گا، پکڑے جانے پر سزا کا مستحق ہوگا ـــــــ اس لئے کہ یہ اس کا کام نہیں تھا کہ حکمت و مصلحت کو دیکھے، یہ کام حکومت کا ہے، اس کا کام تو یہ ہے کہ علت کو دیکھے جسے حکومت نے احکام کے لئے علامت قرار دیا ہے، اور قانون کی پابندی کرے

(۲) ایک شخص کسی دوسرے ملک کا سفر کرتا ہے، اس کیلئے پاسپورٹ کا ہونا ناگزیر ہے، یہ ایک حکم ہے اس کی مصلحت یہ ہے کہ کوئی غلط قسم کا آدمی ملک میں نہ گھس آئے، اور علت ہے، غیر ملکی سفر کا ارادہ، اگر وہ شخص یوں کہنے لگے کہ چونکہ میں اس ملک کا خیر خواہ ہوں، خطرہ تو بدعنوان عناصر سے ہوتا ہے اس لئے پاسپورٹ کو پھاڑ دیتا ہے تو یہ شخص قانوناً مجرم ہوگا، اس لئے کہ حکمت سے اسے کوئی سروکار نہیں، اس کا کام تو حکم کی فرمانبرداری ہے، اور علت کے مقتضیٰ پر عمل کرنا اس کے لئے ناگزیر ہے۔

(۳) سفر میں نماز قصر کا حکم ہے، حکمت اس کی مشقت میں تخفیف ہونا ہے"، اور علت اس کی "سفر" ہے، اب اگر کوئی یوں کہنے لگے کہ سفر تو اب حضر سے بھی زیادہ آسان ہے، ایر کنڈیشنڈ ریلوں اور ہوائی جہاز کا سفر انتہائی آرام دہ ہوتا ہے، اس لئے میں بجائے دو رکعتوں کے چار رکعتیں پڑھوں گا، تو یہ کہنا اس کا غلط ہوگا، جس طرح مندرجہ بالا مثالوں میں حکمت مدارِ حکم نہیں، بلکہ علت مدارِ حکم ہے، اسی طرح تجارتی سود میں بھی حکمت مدار نہیں ہوگی، بلکہ علت مدار حکم ہوگی، اور علت یہاں پائی جاتی ہے، لہذا حرام ہوگا

ـــــــ اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ احکام کا مدار علت پر نہیں ہوتا بلکہ حکمت پر ہوتا ہے، اور حکمت ظلم ہے یا یہ کہ علت ہی ظلم ہے تو اس اعتبار سے بھی یہ کہنا صحیح نہیں کہ تجارتی سود میں ظلم نہیں، اس میں صرفی اور احتیاجی سود سے بھی زیادہ ظلم ہے جس کو آگے بیان کیا جائیگا ـــــــ یہاں تک تو دوسرے مقدمہ (کبریٰ) اور اس کے متعلقات کا ابطال ہوا۔ اب صغریٰ کے بطلان کو عیاں کیا جاتا ہے، کہ تجارتی سود عہد رسالت میں رائج نہیں تھا' ـــــــ یہ کہنا صحیح نہیں اس لئے کہ قرنِ اول میں تجارتی قرضوں کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

(۱) لباب المنقول میں، آیت لاتاکلوا الربوا الخ کے شان نزول میں بحوالہ فریابی عن مجاھد مذکور ہے، کہ قبیلہ "ثقیف" "بنو نضیر" سے قرض لیا کرتا تھا، جب ادائگی کا وقت آپہنچا تو قبیلہ ثقیف بنو نضیر سے کہتا کہ ہمیں اور مہلت دو، ہم تمہیں اس پر ربا دیں گے (لباب المنقول ص ۵۲ مطبوعہ مصر)

(۲) اسی قسم کی ایک مثال یا ایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وذروا الخ کے ضمن میں مذکور ہے کہ بنو مغیرہ "قبیلہ ثقیف" سے سودی قرض، لیا کرتا تھا (ص ۴۲، ۴۳)

ان دو مثالوں سے یہ بات واضح طور پر سامنے آجاتی ہے کہ ان قبائل کا سودی کاروبار قبائلی سطح پر تھا، واضح رہے کہ یہ

قبائل تجارتی کمپنیوں کی حیثیت رکھتے تھے، قبیلہ کے افراد روپیہ جمع کرکے اجتماعی شکل میں اس سے تجارت کرتے تھے جس کی واضح نظیر ابوسفیان رضؓ کے قافلے میں ملتی ہے۔ ابوسفیان کا وہ قافلہ جو جنگ بدر کا سبب بنا تھا اس کے بارے میں علامہ زرقانی، شرح مواہب میں لکھتے ہیں، لو یبق قرشی ولا قرشیۃ لہ مثقال الا بعث لہ فی العیر۔

یعنی ہر قریشی مرد و عورت جس کے پاس ایک مثقال بھی تھا اس نے اسے قافلہ میں بھیجدیا تھا۔

ظاہر ہے کہ بنو مغیرہ اور ثقیف کے درمیان یہ سود، صرفی اور احتیاجی سود نہیں تھا، بلکہ وسیع پیمانہ پر تجارتی قرضہ اور اس پر سود تھا۔

(۳) موطا امام مالک میں حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ کا واقعہ منقول ہے، واقعہ بہت طویل ہے، اس کا خلاصہ ذکر کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ وہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضؓ کے پاس تشریف لے گئے، وہاں جانے کے بعد حضرت عمر رضؓ کا یہ پیغام آیا کہ حضرت ابوموسیٰ رضؓ سے بیت المال کی رقم لیکر مدینہ طیبہ چلے آؤ، حضرت ابوموسیٰ رضؓ نے ابن عمر رضؓ سے فرمایا کہ میں تمہیں ایک نفع کی بات بتلاتا ہوں، وہ یہ کہ یہ بیت المال کی رقم ہے، اسے بجائے امانت کے مجھ سے قرض کے طور پر لے لو۔ اور یہاں سے کچھ مال خرید کر وہاں جاکر بیچو، تمہیں اس سے نفع ہوگا، اسے اپنے پاس رکھ لینا اور اصل مال بیت المال میں داخل کرا دینا۔

(موطا امام مالک کتاب القراض ۲۰)

حضرت ابوموسیٰ رضؓ کے پیش نظر اس سے دو فائدے تھے

(۱) کہ بیت المال کا مال حفاظت سے پہونچ جائے گا۔ کیونکہ اس صورت میں یہ مال امانت نہیں ہوگا کہ اس کا ضمان واجب نہو بلکہ قرض ہوگا جس کی ادائیگی ابن عمر رضؓ پر بہرحال واجب ہوگی

(۴) حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا واقعہ بخاری شریف میں باب برکۃ الغازی فی مالہ، میں مذکور ہے کہ

"لوگ آپؓ کے پاس بہت بھاری رقمیں امانت رکھوانے کے لئے لاتے تھے، آپ ان رقوم کو بجائے امانت کے قرض لے لیا کرتے تھے، اور فرمایا کرتے تھے "لا ولکن ھو سلف"، یعنی یہ مال آپ کا بطور امانت نہیں بلکہ بطور قرض ہوگا۔

(بخاری جلد اول ص ۴۴۱ مطبوعہ کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اور پھر اس مال سے تجارت کرتے تھے، مال کو بطور قرض لینے کا مقصد یہ تھا کہ

اس مال کو حضرت زبیر رضؓ اپنی تجارت میں لگا سکیں اور یہ مال امانت کی بجائے قرض بنکر مضمون ہوجائے تاکہ اگر یہ مال ضائع ہوجائے تو مالکوں کو اس کا ضمان مل سکے اور یہ نہ سمجھا جائے کہ انھوں نے حفاظت میں کوتاہی برتی ہے۔

(فتح الباری ص ۱۷۵ ج ۶)

(۵) سیرت ابن ہشام میں مرقوم ہے کہ خلیفہ ولید نے مرتے وقت اپنے بیٹوں کو وصیت کرتے ہوئے کہا کہ

بنی ثقیف پر جو میری سود کی رقم ہے اسے بھی بغیر لئے نہ چھوڑنا"

(ترجمہ سیرت ابن ہشام ص ۲۰۴ ج اول)

اس میں مقروض ایک قبیلہ ہے جو شخصی یا وقتی غرض سے ہرگز قرض نہیں لے سکتا، یقیناً اس کی حیثیت بنکوں کے قرضوں کی سی ہو مشتے از خروارے، پانچ مثالیں ذکر کیں، ورنہ اور بھی کئی مثالیں تجارتی قرضے اور سود کی، احادیث اور کتب تفسیر میں ملتی ہیں۔ ثابت ہوا کہ عہد حاضر کی طرح، قرن اول میں بھی تجارتی قرضوں کا رواج شائع تھا، اور زمانہ جاہلیت میں ان قرضوں پر سود بھی لیا دیا جاتا تھا،

دوسری دلیل: متجددین یہ پیش کرتے ہیں کہ تجارتی سود کی مثال اجارے کی سی ہے، جس طرح "اجارہ" میں ایک شخص اپنی کوئی چیز کرایہ پر دیتا ہے، اور اس کا معاوضہ وصول کرتا ہے، اسی طرح تجارت کے لئے قرضہ دینے والا اپنے مال پر

سود وصول کرتا ہے؛

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اگر اجارہ پر اسے قیاس کرنا صحیح ہو، تو ہوبہو یہ قیاس صرفی و احتیاجی سود میں بھی چلیگا ——— بلکہ اجارہ کی زیادہ مشابہت تو صرفی اور احتیاجی سود سے ہے، اس لئے کہ عام طور پر اجارے صرف صرفی اور احتیاجی ضرورتوں کے لئے کئے جاتے ہیں ——— دوسرا جواب یہ ہے کہ سود کو اجارے پر مطلقاً قیاس نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ جو چیز کرایہ پر دیجاتی ہے، اس میں وہ چیز بعینہٖ برقرار رہتی ہے اور مستاجر اس کے منافع حاصل کرنے کے بعد وہ چیز بعینہٖ لوٹا دیتا ہے، بخلاف تجارتی قرضوں کے کہ اس میں وہ مال جو قرض میں لیا گیا ہے، بعینہٖ مقروض کے پاس برقرار نہیں رہتا بلکہ جب تک اسے خرچ کرکے ختم نہ کیا جائے۔ اس وقت تک اس سے نفع حاصل کرنا ممکن نہیں۔ درہم و دینار کے بارے میں صاحب مقامات نے خوب کہا ہے۔

ان لیس یغنی عنك فی المضائق
الا اذا فرّ فرار الابق

لہذا قرض کو اجارہ پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔

ان کی تیسری دلیل۔ یہ ہے ——— کہ یہ بیع سلم کی طرح ہے کہ جس طرح اس میں پیسے پہلے دیئے جاتے ہیں اور مال بعد میں ملتا ہے، اور اس صورت میں اگر وہ یہ سودا نقد کرتا تو اسے مال کم ملتا، اس بیع کی صورت میں زیادہ ملتا ہے؛ تو یہ تفاوت تجارتی سود کی طرح ہے۔

اس کا جواب بالکل ظاہر ہے کہ یہ بیع خلاف قیاس مشروع ہوئی ہے، اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، نیز تجارتی قرض اور اس کی ادائیگی مبادلۃ الاثمان بالاثمان ہے جس میں تفاضل ناجائز ہے۔ بخلاف بیع سلم کے کہ اس میں متبادلۃ الاعیان بالاثمان ہوتا ہے، لہذا اس کو بیع سلم پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

اور ان کی چوتھی دلیل یہ ہے کہ روایات میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضہ سے قرض لیا اور اس سے زیادہ واپس کیا ——— یہ استدلال بالکل لغو ہے، اس لئے کہ یہ دلیل تو صرفی سود میں بھی چل سکتی ہے، جس کا تقاضا ہے کہ صرفی سود بھی حلال ہو جائے حالانکہ متجددین صرفی سود کو تو حرام ہی کہتے ہیں۔ اس دلیل کا دوسرا جواب یہ ہے کہ کسی بھی معتبر روایت سے ثابت نہیں کہ جو زیادہ مال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا اس کی شرط معاملہ کے وقت لگا دی گئی تھی، اور ظاہر ہے کہ اگر قرض کے معاملہ میں زیادہ مال دینے کی شرط نہ لگائی جائے مگر ادائیگی کے وقت مقروض کچھ زائد رقم بھی دیدے تو یہ سود نہیں ہبہ ہے جو بلاشبہ جائز اور مستحسن ہے؛

تجارتی سود کی حرمت پر دلائل

(۱) حضرت ابو ہریرۃ رضہ سے ایک روایت نسائی، ابوداؤد وغیرہ میں مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

لیاتین علی الناس زمان لا یبقی احد الا اکل الربوا فان لم یاکلہ اصابہ من بخارہ ویروی من غبارہ

(رواہ احمد وابوداؤد والنسائی وابن ماجہ) (مشکوٰۃ ص ۲۴۵ باب الربوا)

یہ پیشین گوئی خالص بینکنگ کے نظام پر فٹ بیٹھتی ہے، اس لئے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ پورے کا پورا معاشرہ مہاجن بن جائے، یہ تجارتی سود میں ہوتا ہے کہ بعض لوگ تو براہ راست اس سود کا کاروبار کرتے ہیں، اور بعض لوگ بینکوں میں اپنی رقم رکھوا کر اس کو ملوث کرتے ہیں ——— اور اکثر کارخانے سودی قرضوں سے بنتے ہیں، اور ان کی اشیاء ملک بھر میں استعمال ہوتی ہیں، اور سودی سرمایہ ملک بھر میں گردش کرتا ہے جس کی وجہ سے معاشرہ کا ہر فرد کم از کم اس کے غبار میں ملوث ہو جاتا ہے۔

(۲) کل قرض جرّ نفعا فھو ربوا، اس کا ذکر پہلے گذر چکا، نیز اس حدیث کو زیلعی[1] نے متعدد طرق سے روایت کیا ہے

---

[1] ہدایہ ثالث ص ۱۳۰، رحیمیہ دیوبند

متعدد طرق (اگرچہ بعض متکلم فیہ ہیں) کی وجہ سے حسن لغیرہ کے درجہ میں ہے جو بالاتفاق قبول ہے۔

(۳) تمام فقہاء نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ اگر مضاربت میں رب المال اپنے لئے کچھ رقم معین کرلے تو مضاربت فاسد ہوجاتی ہے، یہ بعینہ تجارتی سود کی شکل ہے اور تمام فقہاء کا اس پر اجماع ہے۔

دوسرے گروہ کی دلیل ۔ یہ گروہ جیسا کہ پیچھے بیان ہوا سود مفرد کو حلال اور سود مرکب (یعنی سود در سود) کو حرام کہتا ہے وہ قرآن حکیم کی اُس آیت سے استدلال کرتا ہے

یا ایہا الذین آمنوا لا تاکلوا الربوا اضعافا مضاعفۃ۔

اس آیت میں اضعافا مضاعفۃ یعنی سود مرکب سے منع فرمایا گیا ہے۔ لہذا یہی صورت ناجائز ہوگی، اور عہد رسالت کے تمام ربوا اسی پر محمول ہوں گے، اب قاعدہ یہ قرار پائے گا کہ اگر کوئی سود مرکب لے، دے تو وہ ناجائز ہوگا اور سود مفرد سے قرآن نے منع بھی نہیں فرمایا اور نہ یہ عہد رسالت میں موجود تھا؛

ربا کی مخالفت کے ساتھ اضعافاً مضاعفۃ کی قید لگائی گئی ہے، اور قاعدہ ہے کہ مقید پر جب نفی داخل ہوتی ہے تو وہ نفی قید کی طرف راجع ہوتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جہاں تک حنفی "اصول فقہ" کا تعلق ہو اس کی رو سے یہ استدلال بالکل غلط ہے، اس لئے کہ حنفیہ کے نزدیک مفہوم مخالف معتبر نہیں ہوتا، حنفیہ کے نزدیک اس آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ تم ربا اضعافاً مضاعفۃ نہ کھاؤ اور غیر اضعافاً مضاعفۃ سے آیت میں سکوت ہے، اس کی حرمت پر دوسرے دلائل موجود ہیں۔

البتہ یہ اشکال ان حضرات پر ہوسکتا ہے جو مفہوم مخالف کا اعتبار کرتے ہیں، لیکن ان کے ہاں بھی مفہوم کے لئے ضروری ہے کہ اس مفہوم کے خلاف پر کوئی قرینہ موجود نہ ہو، اصول کی کتابوں میں مفہوم مخالف کے معتبر ماننے کے لئے چند شرائط مذکور ہیں، ان میں ایک شرط یہ بھی ہے، کہ منطوق کسی واقعہ کے بیان کے لئے وارد نہ ہو،

(تسہیل الاصول ص ۱۴۴ مطبوعہ مصر ۱۳۴۱ھ کی عبارت ہے۔

(الشرط الخامس) ان لا یکون المنطوق لبیان حکم حادثۃ کقولہ تعالیٰ لا تاکلوا الربا اضعافا مضاعفۃ، فلا مفہوم للاضعاف)

معلوم ہوا کہ مفہوم مخالف یہاں پر بالاجماع مراد نہیں

نیز باری تعالیٰ کا ارشاد یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوا میں تصریح کردی گئی ہے کہ ربوا کا جو حصہ باقی بچ گیا ہو خواہ وہ قلیل ہی کیوں نہ ہو، واپس کرنا ضروری ہے، اگر سود مفرد جائز ہوتا تو کم از کم اس کی اجازت تو مل جاتی اور ایک پیسہ بھی اصل زر پر زائد لینے پر اتنی بڑی وعید کہ جو کوئی سودی رقم واپس نہیں کرے گا، اس کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے" وارد نہ ہوتی، اور ارشاد ہوجاتا وکلوا ربا مفرداً۔

مگر اس آیت نے سود کی ہر صورت کو خواہ وہ قلیل اور مفرد ہو خواہ کثیر اور مرکب حرام کردیا ہے۔

پاکستان میں رسالہ دارالعلوم دیوبند کا نیا انتظام

پاکستان میں ابتک رسالہ "دارالعلوم" کے سالانہ بدل اشتراک کی رقمیں مولانا محمد صاحب انوری لائلپوری وصول کرتے تھے، مگر اب یہ انتظام بدل دیا گیا ہے، آئندہ تمام پاکستانی خریدار رسالہ دارالعلوم کے چندے ناظم صاحب رسالہ بینات مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی ۵ کو منی آرڈر سے روانہ کریں، کوپن پر اتنا ضرور لکھیں کہ یہ رسالہ دارالعلوم کا چندہ ہے، ڈاکخانہ کی رسید حسب دستور دفتر رسالہ دارالعلوم دیوبند۔ بھارت کو روانہ کریں۔

سید محمد ازہر شاہ قیصر۔ مدیر رسالہ دارالعلوم دیوبند

نقد و تبصرہ

(تبصرے کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے ارسال فرمائیے)

انوارِ عثمانی | مکتوبات شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رح

مرتبہ جناب پروفیسر محمد انوار الحسن صاحب شیر کوٹی، ناشر مکتبہ اسلامیہ مولوی مسافر خانہ بندر روڈ کراچی۔ تقطیع ۲۰×۲۶/۸ ضخامت ۲۸۰ صفحات، کاغذ و کتابت عمدہ، طباعت گوارا قیمت درج نہیں۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رح کی شخصیت اپنے علم و فضل، ورع و تقویٰ اور تقریری و تحریری و سیاسی خدمات کے لحاظ سے بلاشبہ ایک ایسی شخصیت تھی جس کی نظیریں ہر زمانے کی تاریخ میں گنی چنی ہوتی ہیں، اللہ نے ان کی زبان و قلم سے نہ صرف دین اور علوم دین کی عظیم الشان خدمتیں لیں بلکہ تعمیرِ پاکستان کے سلسلے میں وہ کارہائے نمایاں انجام دلوائے جنہیں چھپانے اور مٹانے کی ہزار کوششوں کے باوجود فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

زیرِ تبصرہ کتاب علامہ عثمانی رح کے علمی، نجی اور سیاسی مکتوبات کا ایک نہایت دلچسپ اور مفید مجموعہ ہے جسے پروفیسر انوار الحسن صاحب شیر کوٹی نے بڑی عرق ریزی کیساتھ مرتب کیا ہے، کتاب تین حصوں پر منقسم ہے، پہلے حصے میں حضرت علامہ رح کے علمی اور نجی خطوط کو جمع کیا گیا ہے، دوسرے حصے میں سیاسی خطوط ہیں، اور تیسرے حصے میں وہ مکاتیب درج کئے گئے ہیں جو قیام پاکستان کے بعد لکھے گئے، فاضل مرتب نے ہر مکتوب کے ساتھ مکتوب الیہ کا مختصر تعارف اور خط کا پس منظر بھی لکھدیا ہے تاکہ اس سے پوری طرح استفادہ کیا جا سکے۔

پہلے حصے کے علمی مکاتیب میں بڑی نادر اور دقیق علمی بحثیں بھی ملتی ہیں، خاص طور سے پہلے خط میں تو "تعددِ حق" اور "جنت و دوزخ" کے بارے میں بڑی فاضلانہ بحثیں سپردِ قلم کی گئی ہیں جو اہلِ علم کے لئے بڑے کام کی چیز ہیں، مؤخر الذکر مسئلے کے ضمن میں اہلِ تجدد کی شکست خوردہ ذہنیت کو بیان کرتے ہوئے علامہ عثمانی رح کتنی سچی بات لکھتے ہیں۔

> آپ کا دل یورپ کے ملحدوں سے ڈرا ہوا ہے ۔۔۔۔ حالانکہ ان ملاحدہ سے آپ کہاں تک ڈریں گے؟ خدا کی ہستی کا وہ مذاق اڑاتے ہیں، نبوت اور وحی کا وہ مذاق اڑاتے ہیں، فرشتوں اور شیاطین کا وہ مذاق اڑاتے ہیں، مر کر زندہ کئے جانے کا وہ مذاق اڑاتے ہیں، آپکی نماز کا، آپکے حج وعمرہ کا، آپ کے نکاح کا، آپکی ہر ہر بات کا ان کے یہاں تمسخر کیا جاتا ہے تو پھر آپ کے پاس انکی ساری بیہودگیوں کا جواب اس کے سوا کیا ہے۔ ان الذین أجرموا کانوا من الذین امنوا یضحکون۔
>
> آپ ان سے کہدیجئے کہ آپ کا جواب ہمارا خدا پہلے ہی دے چکا ہے۔ جہاں اس نے یہ فرمایا ہے اذا قیل لھم امنوا کما امن الناس قالوا أنؤمن کما

امن السفہاء، الا انھم ھم السفہاء ولکن لا یعلمون"

(ص ۳۴)

معجزات کی بحث میں بخاری کی ایک حدیث کو کیسی دلنشین مثال سے سمجھاتے ہیں!

"اگر وہ یہ مانتے ہیں کہ اتنی بڑی زمین مع ان تمام پہاڑوں اور مخلوق کے جو اس پر آباد ہے، دن رات اللہ تعالیٰ کے ارادے اور مشیت سے نہایت سریع اور منظم حرکت کر رہی ہے تو یہ کیوں محال ہے کہ اس کے ارادے سے ایک ذرا سا پتھر کپڑوں کا بوجھ اٹھا کر چند قدم حرکت کرنے لگے" (ص ۵۹)

ذیقعدہ ۱۳۴۴ھ میں شاہ عبدالعزیز بن سعود نے علماء کی ایک عالمی مؤتمر طلب کی تھی، جس میں علامہ عثمانی رح بھی تشریف لے گئے، زیر تبصرہ کتاب میں ص ۶۸ سے ۸۰ تک اس سفر کی خود نوشت ڈائری نقل کی گئی ہے اور اس میں علامہ عثمانی رح کی وہ فاضلانہ تقریر بھی شامل ہے جو انہوں نے شاہ کے سامنے کی تھی۔

علمی خطوط میں ایک دلچسپ علمی بحث وہ بھی ہے جو علامہ عثمانی رح اور مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کے درمیان حسن نیت کے ساتھ سینما بینی کے مسئلے پر ہوئی اس میں بعض اصولی مسائل بڑی وضاحت کے ساتھ آگئے ہیں، بحث کا انداز برادرانہ اور خیر خواہانہ ہے، علامہ عثمانی رح مولانا دریابادی پر تنقید کرنے کے باوجود آخر میں لکھتے ہیں۔

"بلا مبالغہ عرض کرتا ہوں کہ علمی اعتبار سے آپ کو اپنے جیسوں سے کہیں بہتر سمجھتا ہوں"

(ص ۱۱۳)

مکتوب کا پورا اسلوب علمی تنقید کے ساتھ رعایتِ حدود کی ایک قابلِ تقلید مثال ہے۔ اسی طرح حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے سیاسی مسلک سے علامہ عثمانی رح کو شدید اختلاف تھا، لیکن صفحہ ۴۷ تا ۵۳ پر ان دونوں حضرات کی جو مکاتبت درج ہے، اس کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ علماء کا باہمی اختلاف رائے کیسا ہوتا ہے؟ چونکہ دونوں حضرات میں دوستانہ مراسم بھی تھے، اس لئے بعض بے تکلفی کے جملے ضرور ملتے ہیں لیکن نہ اس میں فقرہ بازی ہے، نہ دوسرے کی توہین ہے۔ اور نہ نیتوں پر حملہ ہے، حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

"میں اپنی استعداد اور قابلیت علمی اور تقریری وتحریری آپ کے شاگردوں کے پایہ کی بھی نہیں پاتا" (ص ۴۰)

اور حضرت مولانا عثمانی رح لکھتے ہیں۔

"میرے حاشیۂ خیال میں بھی یہ نہیں آسکتا کہ مولانا مدنی اور حضرت مفتی (کفایت اللہ) صاحب محض ذاتی مقاصد کی بناء پر ہندوؤں کے ساتھ ہیں، یا ان حضرات کا اتباع معاذ اللہ کفر ہے، وہ اپنے نزدیک جس چیز کو حق سمجھتے ہیں اسی کے حامی ہیں اور اسی کو اپنے استاذ مرحوم کا مسلک سمجھتے ہیں، ہاں ضروری نہیں کہ ان کی رائے حق وصواب ہو یا دوسرے لوگوں پر انکی تقلید واجب ہو" (ص ۱۸۴)

یہی وہ اختلاف ہے جسے رحمت کہا گیا ہے۔

سیاسی خطوط تمام تر نظریۂ پاکستان کی پُرجوش اور مدلل حمایت سے بھرے ہوئے ہیں، اور ان کے ضمن میں بھی بعض قیمتی علمی نکات ملتے ہیں۔

پاکستانی خطوط میں ایک اہم خط وکتابت وہ ہے جو سنہ ۴۸ء کے جہادِ کشمیر کے مسئلے پر علامہ عثمانی رح اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے درمیان ہوئی، اس خط وکتابت میں بھی مجموعی طور پر بحث ومناظرہ سے

زیادہ باہمی مفاہمت کا انداز نمایاں ہے، البتہ جناب مولانا مودودی صاحب دوسرے ہی خط کی ابتداء میں تحریر فرماتے ہیں۔

"دراصل آپ کے اس عنایت نامہ کو دیکھ کر مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ یہ مراسلت کچھ لاحاصل سی ہے، اسی بناء پر مجھے جواب دینے میں تامل تھا" (ص ۲۱۷)

اور آخر میں ارشاد فرماتے ہیں۔

"اگر آپ ان دو مسائل سے تعرض کر کے کوئی صاف بات بیان فرمائیں تو یہ بحث نتیجہ خیز ہو سکتی ہے ورنہ اس سے کیا حاصل کہ آپ اپنی کہے جائیں اور میں اپنی (ص ۲۱۸)

اگر ان جملوں کے تیور ذرا مختلف ہوتے تو یہ پوری قلمی بحث سنجیدہ تنقید کی ایک اچھی مثال تھی۔

صفحہ ۲۳۱ پر علامہ عثمانی رح کی وہ یادگار تقریر نقل کیگئی ہے جو ۹ مارچ ۱۹۴۹ء کو دستور ساز اسمبلی میں قرارداد مقاصد کی منظوری پر کی گئی تھی اور جسے اخبارات نے "روشنی کا مینار" قرار دیا تھا، اس تقریر کا ایک ایک لفظ لوح دل پر نقش کرنے کے لائق ہے۔

بہرکیف! علامہ عثمانی رح کے مکتوبات کا یہ مجموعہ اردو ادب میں ایک گرانقدر اضافہ ہے، پروفیسر انوار الحسن صاحب شیرکوٹی کو اللہ نے علامہ عثمانی رح سے خاص عقیدت عطا فرمائی ہے، جس عرق ریزی کے ساتھ انہوں نے یہ مکتوبات جمع کئے ہیں اس کے لئے وہ علمی دنیا کی طرف سے شکریہ اور مبارکباد کے مستحق ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے آمین

(م - ت - ع)

مقام صحابہ اور مسئلہ خلافت و شہادت

افادات شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہم اکوڑہ خٹک - ناشر شعبہ تصنیف و اشاعت دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور، کتابت و طباعت و کاغذ عمدہ صفحات ایک سو چار قیمت ایک روپیہ۔

یہ حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہم کی ایک تقریر ہے جو انہوں نے رسالپور کے ایک اجتماع میں ارشاد فرمائی، تین گھنٹے کے اس طویل خطاب میں شہادت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلافت شیخین اور حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے باہمی تعلقات جیسے نازک موضوعات پر عالمانہ روشنی ڈالی گئی ہے۔ جمہور کی سنت کے مطابق حضرت مولانا مدظلہم نے پورے اعتدال حزم و احتیاط کے ساتھ اس مسئلہ پر روشنی ڈالی۔ جس سے قلب کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ اس رسالے کو پڑھ کر پہلی بار یہ تاریخی حقیقت سامنے آئی کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت پر اظہار غم کے لئے نالہ و شیون اور ماتم و سینہ کوبی کی رسم سب سے پہلے خود قاتلین حسین رض نے شروع کی تھی (ص ۲۲ تا ۲۴ بحوالہ طبری) خلافت شیخین رض پر مولانا کا یہ استدلال کتنا واضح اور دلنشین ہے کہ:۔

"جب حضرت حسین رض نے دیکھا کہ ایک نااہل اٹھتا ہے اور خلافت علیٰ کے مسند پر بیٹھتا ہے۔ تو حضرت حسین رض نے احقاق حق کے لئے مال و جان کی قربانی دی، تو باپ تو بہرحال زیادہ بہادر اور شجاع تھے۔ اگر خدانخواستہ حضرت صدیق رض و حضرت عمر رض خلافت کے لئے نااہل ہوتے تو حضرت علی رض کو سب سے پہلے حضرت ابوبکر رض و عمر رض کے مقابلے میں کھڑا ہونا چاہیئے تھا (ص ۵۰ تا ۵۲)

اس کتابچہ کے حواشی اور ضمائم مولانا کے لائق فرزند جناب مولانا سمیع الحق صاحب نے بڑی عرق ریزی سے تحریر فرمائے ہیں۔ حواشی میں تمام واقعات کے حوالوں کی مفصل تخریج کی ہے۔ جس سے اس کتاب کی علمی وقعت میں اضافہ ہو گیا ہے۔ مولانا سمیع الحق صاحب نے کتاب کے آخر میں چھ ضمائم کا اضافہ کیا ہے۔ جن میں تعدیل صحابہ رض حضرت معاویہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بلند مقامی فقیہہ کی حقیقت، حضرت معاویہ رض وحضرت حسن رض کی صلح، حضرت علی رض کی صاحبزادی کے حضرت عمر رض سے نکاح اور حضرت عثمان رض کے داماد رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہونے کے بارے میں فاضلانہ مضامین بیان کئے گئے ہیں امید ہے کہ یہ کتابچہ انصاف پسند حضرات کے لئے بہت سی غلط فہمیاں دور کرنے کا باعث بنے گا۔ (م۔ت۔ع)

شاہ جی رح کی ایک تقریر

یہ مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تقریر ہے جو انہوں نے دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں کی تھی اور اُسے مولانا شیر علی شاہ صاحب مدرس مدرسہ مذکور نے قلمبند فرمایا۔ تقریر کا موضوع ختم نبوت ہے۔ اور اس میں شاہ صاحب کے انداز خطابت کی ہلکی سے جھلک دیکھی جاسکتی ہے۔ رسالہ ۴۸ صفحات پر مشتمل ہے اور دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ قیمت ۲۵ پیسے ہے۔ (م۔ت۔ع)

چراغ راہ سوشلزم نمبر

مرتبہ جناب خورشید احمد صاحب
ملنے کا پتہ:
یوسف منزل ہرمزجی روڈ کراچی،

سائز ۲۰×۳۰/۸ کاغذ، کتابت وطباعت متوسط، ضخامت ۵۲۶ صفحات، قیمت چھ روپے۔ ماہنامہ چراغ راہ ادارہ معارف اسلامی ناظم آباد کراچی کا ترجمان ہے، اور اس کا یہ خاص نمبر دسمبر ۱۹۶۶ء میں منظر عام پر آیا ہے، اس بات کی شدید ضرورت عرصے سے محسوس کی جارہی تھی کہ اشتراکیت کے موضوع پر اردو میں ایسا جامع مواد آجائے جس سے اس جذباتی تحریک کے صحیح خدوخال لوگوں کے سامنے آسکیں، چراغ راہ کے اس نمبر نے اس ضرورت کو بڑی خوبی کیساتھ پورا کیا ہے، اس نمبر کے پہلے حصے میں خورشید احمد صاحب نے "سوشلزم یا اسلام" کے عنوان سے تقریباً ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل ایک مبسوط مقالہ لکھا ہے جسے اس نمبر کی جان کہنا چاہیئے، اس مقالے میں پہلے خود اشتراکی ماخذ سے اشتراکیت اور مارکسیت کا پورا تعارف کرایا گیا ہے، اس کے بعد اس کی مابعد الطبیعیاتی، سیاسی اور معاشی فکر پر فاضلانہ تنقید کی گئی ہے۔ اشتراکی ممالک کے نظریہ اور عمل میں جو تضاد پایا جاتا ہے۔ اس کو محققانہ انداز میں واضح کیا گیا ہے، اور آخر میں اشتراکیت اور اسلام کا مختصر موازنہ کیا گیا ہے، البتہ صفحہ ۱۴۸ پر ایک جملہ ترمیم کا متقاضی ہے۔

"اسلام زندگی کے مادہ پرستانہ تصور کی بغاوت پر مبنی ہے"

اسلام دین فطرت ہے، اور جب سے انسانیت وجود میں آئی ہے اُس وقت سے موجود ہے، اس لئے اسکو کسی سابقہ تصور کی بغاوت پر مبنی کہنا درست نہیں، یوں کہنا چاہیئے کہ اسلام زندگی کے مادہ پرستانہ تصور کا مخالف ہے۔ ـــ اس معمولی فروگذاشت سے قطع نظر، مجموعی اعتبار سے پورا مقالہ قابل تحسین ومبارکباد ہے اور نہایت عرق ریزی سے لکھا گیا ہے۔

نمبر کے دوسرے حصے میں عبد الحمید صدیقی صاحب کا مقالہ "اشتراکیت کی فکری بنیادیں" اور حسین خاں صاحب کا مقالہ "اشتراکیت اور معاشی ترقی" خاص طور سے قابل مطالعہ ہیں، موخر الذکر مقالے میں اس نعرے کا تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے کہ "اشتراکیت معاشی ترقی کی ضامن ہے" مقالہ نگار نے اس جائزے کی ترتیب میں بڑی محنت کے ساتھ قابل قدر مواد جمع کیا ہے جس سے اشتراکیت کا اطلاقی پہلو واضح ہوکر سامنے آجاتا ہے، تیسرے حصے میں صفحہ ۲۰۸ پر ایک عنوان ہے "محمد قرآن اور اسلام"! یہ غیر مسلم مصنفین کا اسلوب ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صرف "محمد" کا لفظ استعمال کرتے ہیں، ہماری رائے میں مسلمان اہل قلم کو اس اسلوب سے مکمل پرہیز کرنا چاہیئے، چوتھا باب اس پہلو سے بحث کرتا ہے کہ اشتراکیت

ذکر اللہ

اور

درود و سلام

کے

فضائل و مسائل

افادات

حضرت مولانا محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان

ناشر

مکتبہ دار العلوم کراچی

قیمت ۷۵ پیسے

پبلیشر: مفتی محمد شفیع۔ دفتر البلاغ کراچی نمبر ۱۴
پرنٹر: مستفیض احمد صدیقی۔ انٹرنیشنل پریس کراچی۔